SHIVAJI UNIVERSITY, KOLHAPUR

شیواجی یونیورسٹی ، کولھا پور

B.A. PART - II

SEMESTER - III

بی۔ اے ۔ سال دوّم

سمیسٹر سوم

URDU IDS-I

TAREEKH-E-URDU ZABAN-O-ADAB

تاریخ اردو زبان و ادب

DR.BILQUIS BEGUM

Head Of Department, Urdu

Surendranath College, Kolkata (West Bengal)

ڈاکٹر بلقیس بیگم

صدر شعبہء اردو

سریندرناتھ کالج، کولکاتہ (مغربی بنگال)

SHIVAJI UNIVERSITY, KOLHAPUR

شیواجی یونیورسٹی ، کولھا پور

B.A. PART - II

بی۔ اے ۔ سال دوّم

سمیسٹر سوم

SEMESTER - III

URDU IDS-I

TAREEKH-E-URDU ZABAN-O-ADAB

تاریخ اردو زبان و ادب

Dr. Bilquis Begum

Head Of Department, Urdu

Surendranath College, Kolkata (West Bengal)

ڈاکٹر بلقیس بیگم

صدرشعبہء اردو

سریندرناتھ کالج، کولکاتہ (مغربی بنگال)

بی ۔ اے۔ سال دوّم (سمیسٹر سوّم)

TAREEKH-E-URDU ZABAN-O-ADAB

تاریخ اردو زبان و ادب
برائے نصاب

UNIT - I : URDU ZUBAN

باب 1 :۔ اردو زبان

اکائی ۱ :۔ اردو زبان کا تعارف

اکائی ۲ :۔ ہند آریائی خاندان السنہ

اکائی ۳ :۔ اردو زبان کی ابتداء سے متعلق مختلف نظریات

UNIT - II URDU ZABAN KA IRTEQAEE SAFAR

باب 2 : اردو زبان کا ارتقائی سفر

اکائی ۴ :۔ اردو زبان کا آغاز وارتقاء

اکائی ۵ :۔ دکن میں اردو زبان کا آغاز وارتقاء

UNIT - II : Urdu Idaro Ki Tafsilaat

باب 3 :۔ اردو اداروں کی تفصیل

اکائی ۶ :۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات

اکائی ۷ :۔ دلی کالج کی ادبی خدمات

UNIT - III :QUTUBSHAHI AUR AADILSHAHI AHAD

باب 4 :۔ قطب شاہی اور عادل شاہی عہد

اکائی ۸ :۔ قطب شاہی دور کی ادبی خدمات

اکائی ۹ :۔ عادل شاہی دور کی ادبی خدمات

اکائی ۱ : اردو زبان کا تعارف

اکائی کے اجزاء

1.1 مقاصد
1.2 تمہید
1.3 موضوعات
1.3.1 اردو کے معنی ومفہوم
1.3.2 اردو زبان کی لفظیات
1.3.3 اردو ادب کا آغاز
1.4 خلاصہ
1.5 نمونے کے امتحانی سوالات
1.6 فہرہنگ
1.7 شفارش کردہ کتابیں

1.1 مقاصد

☆ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔
☆ اردو کے معنی ومفہوم سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ اردو زبان کی لفظیات سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ اردو ادب کا آغاز کس طرح ہوا؟ یہ بتاءسکیں گے۔

1.2 تمہید

تاریخ اردو ادب کے متعلق اس باب میں اردو ادب کی تاریخ اور لغوی معنی ومفہوم سے واقف کروایا گیا ہے۔ اردو زبان میں موجود عربی اور فارسی الفاظ کو بنیاد بنا کر یہ نظریہ قائم کیا جاتا ہے کہ اردو ایک بیرونی زبان ہے۔ یہ تاریخی اور لسانی پس منظر میں لفظ اردو ترکی زبان سے ہندوستان منتقل ہوا۔ مسلمان طبقہ کے ہندوستان آنے پر انہیں ترک کی قوم کی حیثیت شناخت حاصل ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی آمد سے ہندوستان میں میں تفریق کا خاتمہ، رواداری اور آپسی بھائی چارہ کا ماحول پیدا ہوا۔ اسی ماحول میں ہندو مسلم اتحاد کی وجہ سے ایک نئی زبان وجود میں آئی۔ اس نئی زبان کو اردو کے نام سے عالمی طور پر شہرت حاصل ہے۔

1.3 موضوعات

1.3.1 اردو کے معنی ومفہوم

ترکی زبان میں لفظ اردو کے معنی ''لشکر'' کے ہیں۔ترکی زبان سے ہندوستانی زبانوں میں بے شمار الفاظ منتقل ہوئے اور اس ملک کی زبانوں کا حصہ بن گئے۔ایسا ہی ایک لفظ اردو بھی ہے جو ترکستان سے سفر کرتا ہوا ہندوستان پہنچا۔ترکی زبان کے دوسرے الفاظ جیسے بیگ، بیگم، خانم اور دیگر الفاظ بھی ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے رواج پا گئے۔لفظ اردو یعنی مسلمان فوجوں کے نام کے ساتھ ساتھ ترکستان سے سفر کرتا ہوا ہندوستان میں منتقل ہوا۔جدید تحقیق کے ذریعہ پاکستان کے مشہور شاعر حمایت علی شاعر نے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ سندھی زبان میں ایک لفظ ''ارڈ'' کا استعمال ہوتا ہے۔ممکن ہے کہ سندھی زبان میں ترکی سے منتقل ہونے والے لفظ اردو کو ''ارڈ'' کر دیا گیا ہو، جس کے معنی مجمع یا ہجوم کے ہوتے ہیں۔فوج بھی مجمع یا گروہ کا انتظامی شعبہ ہے۔اس لیے ممکن ہے کہ ترکی زبان سے سندھی میں منتقل ہونے والا لفظ اردو اپنی اصلیت کو چھوڑ کر کوئی اور معنی میں استعمال کر لیا گیا ہو۔غرض یہ حقیقت واضح ہے کہ اردو کا لفظ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد شروع ہوا۔یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ترکی زبان میں اردو کے معنی لشکر ہوتے ہیں۔ہندوستان میں مسلمان فوجوں کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔یہی سبب ہے کہ اردو کو مسلمانوں سے جوڑ دیا گیا۔غرض لفظ اردو ترکی زبان سے ہندوستان منتقل ہوا اور اس کا اثر سندھی زبان اور دیگر زبانوں پر بھی دیکھائی دیتا ہے۔

1.3.2 اردو زبان کی لفظیات

اردو میں موجود عربی اور فارسی الفاظ کے املاء اور ہجا کے بارے میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اردو کے ابتدائی نثر نگاروں نے ہی نہیں بلکہ شاعروں نے بھی قواعد کے اعتبار سے سنسکرت کے ڈھانچہ کو جملہ بنانے کیلئے استعمال کیا۔اردو کے ابتدائی نمونوں اور دکنی کے شعری اور نثری رسالوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو والوں نے عربی اور فارسی الفاظ استعمال کیے تو ان الفاظ کا املاء ہندوستانی ضرورت کے مطابق بنالیا۔اسی طرح سنسکرت کے الفاظ جو پیچیدگی کی نمائندگی کرتے تھے انہیں اردو میں شامل کیا تو ان الفاظ کو بھی رواں بنانے کیلئے اس کے املاء اور ہجا میں تبدیلی پیدا کی۔جس طرح مسجد کو مسیت لکھا گیا اسی طرح سنسکرت الفاظ سورج اور چاند کو سُرُج اور چندر کے طور پر استعمال کیا گیا۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان کی ابتدائی لفظیات چاہے وہ سنسکرت سے حاصل کی گئی ہو یا عربی یا فارسی سے اس کو استعمال کرنے والے اردو کے شاعروں اور نثر نگاروں نے آسان املا اور آسان ہجا کی طرف توجہ دی۔ آسان املا اور ہجا کی وجہ سے اردو والوں کو دوسری زبانوں کے الفاظ ادا کرنے میں آسانی ہوئی۔ہر زبان کی لفظیات کو استعمال کرنے کیلئے اردو والوں نے اپنا املا اور اپنا ہجا متعین کیا۔یہ املا اور ہجا عربی، فارسی اور سنسکرت کے صرف ونحو سے بالکل مختلف تھا۔تیرہویں صدی سے سترہویں صدی کی وسط تک اردو کی نمائندگی دکنی زبان سے ہوتی رہی اور سترہویں صدی کی نصف کے بعد جب دہلی میں اردو کا عروج ہوا تو دہلی کے شاعر بھی اردو لفظیات کو مقامی املاء اور ہجا کے اعتبار سے استعمال کرنے لگے۔

1.3.3 اردو ادب کا آغاز

اردو ادب کے ابتدائی نمونے سب سے پہلے ہمیں سرزمین دکن میں ملتے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلی کاوش ہمیں حضرت امیر خسرو کے کلام میں ملتی ہے۔وہ امیر بھی تھے' غریب بھی' بادشاہ بھی تھے' فقیر بھی' انہوں نے فارسی میں کئی کتابیں لکھیں لیکن ان کی بہت سی پہیلیاں' دوہے اور گیت میں اردو کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں۔اس وقت تک اردو کی کوئی شکل نہیں بنی تھی جس سے ہم اس کو پہچان لیں' اس لیے ان کی تصنیفات کی زبان کبھی کھڑی بولی اور کبھی برج بھاشا سے مل جاتی ہے تاہم اردو والے امیر خسرو کو اپنا پہلا شاعر مانتے ہیں اور اسی طرح ہندی والے بھی انھیں اپنا پہلا کوی مانتے ہیں۔ہم یہاں ان کی پہیلیاں بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس کے مطالعے سے آپ کو (۱۳) ویں اور (۱۴) ویں صدی عیسوی کی زبان کا اندازہ ہو جائے گا۔

غرض اس طرح اردو دلی کے آس پاس پیدا ہوئی اور ملک کے دوسرے حصوں میں پھیل کر پھولنے لگی۔شروع میں اس کا نام زبانِ ہند، ہندی، ہندوی اور دہلوی رہا بعد میں زیادہ تر ہندی کے نام سے جانے جانے لگی۔جب دکن اور گجرات میں اس کا بول بالا ہوا تو وہاں دکنی اور گجراتی کہی جانے لگی۔اس وقت دہلی والے اس زبان کو ریختہ کہتے تھے اور گری پڑی زبان گردانتے تھے کبھی کبھی اسے زبان اردو معلیٰ بھی کہا کرتے تھے۔کبھی کبھی اس کے لیے ہندوستانی کا لفظ بھی استعمال کیا گیا۔

اردو ادب کی سب سے پہلی تصنیف ہمیں دکن کے علاقے میں ملتی ہے اس سلسلے میں جو پہلی کتاب ملتی ہے وہ ایک مشہور بزرگ سید گیسو دراز کی لکھی ہوئی ہے۔اس کتاب کا نام 'معراج العاشقین' ہے۔اس میں مذہب کے بارے میں گہری معلومات لکھی گئی ہیں۔یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہ کتاب کب لکھی گئی مگر سید گیسو دراز کے وفات کی تاریخ ۱۴۲۱ء ہے' اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ۱۴۲۱ء سے پہلے لکھی گئی ہے۔اس طرح گیسو دراز کے ماننے والوں نے بھی اسی زبان میں لکھنا شروع کیا اور اردو ادب میں مذہبی کتابوں سے لکھنے کا آغاز ہوا۔دکن میں سولہویں صدی عیسوی میں اردو زبان کا چاروں طرف چرچا ہو گیا یہاں کے امیر، فقیر، بادشاہ، رئیس سب اسی زبان کے عاشق ہو گئے۔۱۷ ویں صدی میں یہاں کے سینکڑوں شعرا و ادبا اور ان کی تصانیف ملتی ہیں۔پہلے پہل گولکنڈہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ (جس نے حیدرآباد شہر بسایا) کا کلام وجود میں آیا۔اس کے بعد اس کے درباری شاعر ملا وجہی کا کلام جو نثری اور شعری دونوں شکلوں میں ملتا ہے۔اب تک کی تحقیق کے مطابق وجہی کی 'سب رس' پہلی نثر ہے جس کا سن تصنیف ۱۶۳۵ء ہے۔اسے اردو ادب کی پہلی داستان بھی کہا جاتا ہے۔قلی قطب شاہ خود بھی باکمال شاعر تھا اس کا دیوان اردو کا پہلا دیوان ہے۔اسی لیئے قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کہا جاتا ہے۔غرض وجہی، ابن نشاطی، اور غواصی وغیرہ شاعروں نے اردو ادب کے خزانے میں گراں قدر اضافہ کیا اس طرح اردو ادب کا آغاز دکن میں ہوا اور ۱۸۰۰ء تک اردو ادب کا زبردست خزانہ یہاں کی سرزمین پر وجود میں آیا۔اسی سرزمین کے سب سے زیادہ مشہور شاعر ولی اورنگ آبادی جسے ولی دکنی بھی کہا جاتا ہے۔جو ۱۷۰۰ء میں دلی کا سفر کیا اور وہاں کی محفلوں میں اپنا کلام اردو میں سنایا تو شمالی ہند کے سبھی شعرا نے اس کا کلام بہت پسند کیا اور وہ تعجب کیا کرتے تھے کہ اس زبان میں' جسے ہم ریختہ (گری پڑی ابان) سمجھتے تھے' اتنے اچھے شعر بھی ہوسکتا ہے۔ولی کے بعد شمال میں اردو شاعری کا بول بالا ہوا اس لیے وہاں کے شعرا نے فارسی شاعری کو ترک کیا اور اردو ہی میں شعر کہنے لگے۔کہا جاسکتا ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری ولی کی مرہون منت ہے۔غرض اس شمال میں پیدا

ہونے والی اس زبان نے دکن (جنوبی ہند) میں شاندار ترقی کی اور اس کے ادب کا آغاز دکن میں ہوا۔

1.4 خلاصہ

اردو کا لفظ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد شروع ہوا۔ یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔ ترکی زبان میں اردو کے معنی لشکر ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان فوجوں کی حیثیت سے داخل ہوئے اس لئے اردو کو مسلمانوں سے جوڑ دیا گیا۔ غرض لفظ اردو ترکی زبان سے ہندوستان منتقل ہوا اور اس کا اثر سندھی زبان اور دیگر زبانوں پر بھی دیکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی اس کا استعمال زیادہ پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔

اردو زبان کے بارے میں یہ تصور ہے کہ چونکہ اس زبان میں عربی اور فارسی کے الفاظ زیادہ ہیں اسی لئے لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ اردو یا تو فارسی زبان سے وجود میں آئی یا پھر عربی زبان سے وجود میں آئی ہوگی۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اس اکائی میں ایسا مواد شامل کیا گیا ہے جس کے مطالعہ سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے۔ اردو نے مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آنے والی بیرونی زبانوں کے الفاظ، تراکیب اور مرکبات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ جیسے ترکی، فارسی اور عربی زبانوں کے الفاظ سے اردو زبان کی ضرورت بن گئے اردو زبان کے جملہ بنانے کا طریقہ اور جملے کی ساخت کا وصف یہی ہے کہ پہلے فاعل پھر مفعول اور آخر میں فعل کا استعمال ہوتا ہے۔ جملہ بنانے کی یہ ساخت نہ تو عربی زبان کی خصوصیت ہے اور نہ ہی فارسی و ترکی زبان میں جملہ بنانے کا یہ انداز دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح اس اکائی میں اردو زبان کی لسانی خصوصیت کے بارے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کو ختم کیا گیا ہے۔ طلبہ کو ایسا مواد فراہم کیا گیا ہے کہ جس کے مطالعہ کے بعد لفظ اردو کی خصوصیت اور مختلف ادوار میں اس کے مختلف ناموں کے بارے میں واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اردو میں سب سے پہلے شاعری کے آغاز اور نثر کے توسط سے اس زبان میں قواعد کے اہم سنسکرت اصولوں سے استفادہ پر بحث کی گئی ہے۔ اردو زبان کی لفظیات میں مقامی اصوات کو شامل کرتے ہوئے اردو والوں نے اس کے املاء اور ہجا کو تبدیل کیا۔

1.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات دس سے پندرہ سطروں میں دیجیے۔

(۱) اردو کے معنی و مفہوم واضح کیجیے؟

(۲) اردو کے لفظیات پر روشنی ڈالیے؟

(۳) اردو ادب کی تاریخ بیان کیجیے؟

(۴) اردو ہندوستان میں کن کن ناموں سے جانی اور پہچانی گئی؟

(۵) اردو ادب و زبان کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۶) ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے اردو زبان کو کس طرح فروغ حاصل ہوا؟

(۷) اردو زبان وادب کا مقام متعین کیجیے؟

(۸) اردو زبان کی خصوصیات بیان کیجیے؟

1.6 فہرہنگ

الفاظ		معنی
موضوع	:	اصل شہ
نظریہ	:	فکری مسئلہ۔اصول
استفادہ	:	فائدہ حاصل کرنا
شناخت	:	پہچان
آمد	:	آنا۔تشریف لانا
باشندہ	:	رہنے والا۔ساکن
شہرت	:	چرچا' ناموری
ریختہ	:	پڑا ہوا۔بکھرا ہوا
برصغیر	:	چھوٹا برا عظم

1.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱)	تاریخ ادب اردو (آغاز تا 1750 تک)	از:	ڈاکٹر جمیل جالبی
(۲)	ہندوستانی لسانیات	از:	ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
(۳)	پنجاب میں اردو	از:	حافظ محمود شیرانی
(۴)	نقوش سلیمانی	از:	مولانا سید سلیمان ندوی
(۵)	اردو زبان کی تاریخ	از:	ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
(۶)	مقدمہ تاریخ زبان اردو	از:	ڈاکٹر مسعود حسین خاں
(۷)	اردوئے قدیم	از:	حکیم سید شمس اللہ قادری

☆☆☆

اکائی ۲ : ہندآریائی خاندانِ السنہ

اکائی کے اجزاء

2.1 مقاصد
2.2 تمہید
2.3 موضوعات
2.3.1 ہندآریائی کا مفہوم
2.3.2 آریاؤں کا آبائی وطن
2.3.3 آریاورت کی توضیح اوراس میں شامل علاقے
2.3.4 آریاؤں کی ابتدائی بولیاں
2.3.5 ہندآریائی زبانوں کے مختلف عہد
2.3.6 ہندآریائی زبان کی شناخت
2.3.7 ہندآریائی زبانوں کی مقبولیت اوراس کی وجوہات
2.3.8 وادیءسندھ پرآریاؤں کا تسلط کے مثبت اثرات
2.3.9 آریاؤں کا پہلاءپڑاو۔وادیءسندھ
2.3.10 آریاؤں کا دوسرا پڑاو۔پنجاب
2.3.11 آریاؤں کا تیسراپڑاو۔دوآبہ
2.3.12 آریاؤں کی اعلیٰ ذات
2.3.13 آریاؤں کی کمترذات
2.4 خلاصہ
2.5 نمونے کے امتحانی سوالات
2.6 فہرہنگ
2.7 شفارش کردہ کتابیں

2.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ ہندآریائی زبان کا مفہوم،ان کا آبائی وطن،آریاورت میں شامل علاقے اورابتدائی بولیاں سے واقف ہوسکیں گے۔

☆ ہندآریائی زبانوں کے عہد، شناخت، زبانوں کی مقولیت کی وجوہات سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ آریاؤں کا تسلط کے مثبت اثرات، پہلا دوسرا اور تیسرا پڑاو سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ آریاؤں کی اعلیٰ ذات اور کمتر ذات کا جائزہ لے سکیں گے۔

2.2 تمہید

اردو ایک ہندآریائی زبان ہے۔اس کی نمود یکسارگی کے خاص وقت یا لمحہ میں نہیں ہوئی۔وہ اپنی موجودہ شکل اختیار کرنے سے پہلے مختلف مراحل سے گزری ہے آج اس کا شمار دنیا کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانوں میں ہوتا ہے۔اس زبا ن کا تو ایک معیاری لب ولہجہ ہے جو ادیبوں اور اہل زبان کے قائم کردہ اصولوں اور معیاروں کی مطابقت کے نتیجہ میں شکل پذیر ہے۔لیکن مختلف اسباب وعوامل کی وجہ سے زبان جو شکل اختیار کرتی ہے۔اسے ہم بولی کا نام دیتے ہیں۔

2.3 موضوعات

2.3.1 ہندآریائی کا مفہوم

ہندوستان میں آباد قوم کا نام دراوڑی تھا اس ملک کے حقیقی باشندوں کی حیثیت سے دراوڑیوں کی اپنی شناخت تھی۔ ہندوستان پر بیرونی ممالک سے حملہ کرکے اس ملک پر قبضہ جمانے والی قوم کی حیثیت سے آریاؤں کی شناخت کی جاتی ہے۔وسط ایشیاء میں بسنے والی قوم یعنی آریا کا ہندوستان میں داخل ہونا ممکن نہ تھا، کیونکہ وادی ءسندھ جیسے ہندوستانی علاقہ میں داخل ہونے کے لیے ہمالیہ پہاڑ کی اونچی چوٹیاں سرحد کا درجہ رکھتی تھیں۔ اس پہاڑ کی اونچائی تک پہنچ کر دوسری طرف مراجعت کرنا ممکن نہیں تھا۔آریاؤں کی ہندوستان میں آمد کے لیے قدرتی وسیلے کارآمد رہے۔ ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں قدرتی ذرے موجود تھے،جن میں سب سے مشہور درۂ خیبر تھا۔جس سے گذر کر آریاؤں نے ہندوستان میں داخلہ حاصل کیا۔ہندوستان میں آریاؤں کی موجودگی اوران کی زبانوں کے پھیلاؤ کو ہند۔آریائی زبانوں کا درجہ دیا جاتا ہے۔دراوڑیوں کے توسط سے پھیلنے والی زبان دراوڑی زبانیں تھیں۔چونکہ آریاؤں نے سندھ، پنجاب اور دوآبہ کے علاقوں سے دراوڑیوں کو ڈھکیل کر تینوں علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔جس کی وجہ سے دراوڑی ہندوستان کے جنوب میں داخل ہوگئے۔چنانچہ دریائے کاویری، دریائے نرمدا، دریائے کرشنا اور دریائے گوداوری جو جنوبی ہند کی دریائیں کہلاتی ہیں، ان کے اطراف دراوڑیوں کی آبادیاں بسنے لگیں۔اس طرح سارا شمالی ہندآریاؤں کے قبضہ میں آ گیا اور جنوبی ہند کا علاقہ دراوڑیوں کا مسکن بن گیا۔

دراوڑیوں کے مقابلے میں آریا قوم چست وچالاک، اونچے قد اور ستوان جسم کی مالک تھی جس کی وجہ سے ان کے حسن اور قوی کی شہرت ہونے لگی۔جس کا سارے علاقے پر اثر ہوا۔یہی نہیں بلکہ آریاؤں کی آمد کی وجہ سے اس علاقے میں جتنی بھی زبانیں پھیلنے لگیں۔ان تمام کو ہند۔آریائی زبانوں کا نام دیا گیا ہے۔اس طرح ہند۔آریائی سے مراد ہندوستان میں آریاؤں کی آمد اوران کے توسط سے پھیلنے والی وہ تمام زبانیں ہیں جو ابتداء میں پرائچ، مدھیچ، اور ادھیچ کے نام سے شہرت رکھتی ہیں۔پھر جب ویدوں کا سلسلہ

شروع ہوا تو ہند۔آریائی زبان کی حیثیت سے ویدک سنسکرت کا آغاز ہوا۔ ویدیں پڑھنے کی عام شہری کو اجازت نہیں تھی بلکہ صرف برہمن ذات کے لوگ ویدوں کو پڑھنے کے مستحق تھے اس لئے ویدوں میں لکھی ہوئی سنسکرت محدود ہونے لگی اور عوام میں سنسکرت کا رواج ہوا۔اسی سنسکرت سے پانچ پراکرتیں اور پھر پانچ اپ بھرنش کی زبان مغربی ہندی اور اس کی مختلف بولیوں کو بھی ہند آریائی زبانوں کا درجہ حاصل ہے۔

2.3.2 آریاؤں کا آبائی وطن

ہندوستان میں داخل ہونے والی آریائی قوم کے بارے میں دو مختلف نظریات موجود ہیں۔جن کے مطابق ایک نظریہ ہے کہ آریا قوم تبت اور افغانستان سے ہندوستان میں داخل ہوئی۔اس نظریہ کو ضعیف نظریہ قرار دیا جاتا ہے۔جس کے تحت آریاؤں کا آبائی وطن تبت یا افغانستان تصور کیا گیا ہے۔ لسانیات کے بیشتر ماہرین نے اس نظریہ کی نفی کی ہے۔اس کے بجائے آریاؤں کی ہندوستان میں آمد کا دوسرا نظریہ حقیقت پر مبنی سمجھا جاتا ہے۔اس نظریہ کو ماہرین تاریخ ہی نہیں بلکہ لسانیات کے ماہرین نے بھی قبول کیا ہے۔اس نظریہ کے تحت آریا قوم کا وطن اصلی وسط ایشیاء کی وادیاں ہیں۔ جہاں آریائی نسل کے لوگ قدیم دور سے آباد تھے۔2000 سال قبل مسیح میں انسانوں کی سب سے بڑی ضرورت پانی اور چراگاہیں تھیں۔اس دور تک انسان کو پانی کو ذخیرہ کرنے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے کا ہنر حاصل نہیں ہوا تھا۔اس لیے انسانوں کی بیشتر آبادیاں پانی کے بڑے ذخیروں کے قریب موجود تھیں۔ وسط ایشیاء کا علاقہ آج سے 2000 سال قبل مسیح میں بلاشبہ مختصر انداز میں آباد رہا ہوگا۔موجودہ دور میں وسط ایشیاء سے مراد براعظم ایشیاء کا وہ مرکزی علاقہ ہے جس میں آج کے مشہور ممالک ترکستان، جرمنی اور روس کے علاقے آباد ہیں۔اس اعتبار سے موجودہ سمرقند، تاشقند، بخارا اور جرمنی کے مختلف علاقے اس دور میں وسط ایشیاء کا موقف رکھتے تھے۔اس زمانے میں جو کہ آج سے 4000 سال قبل کا دور ہے۔آبادیاں کم اور جنگلات زائد ہوتے تھے اس لیے 4000 سال قبل کا وسط ایشیاء کا علاقہ تمام تر جنگلات سے بھرا پڑا رہا ہوگا۔ چند علاقوں پر جہاں اس زمانے میں پانی کے ذخیرہ موجود تھے۔وہیں انسانوں کی آبادیاں قائم ہوئیں۔غرض آریاؤں کے وطن کے بارے میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وسط ایشیاء کے مختلف علاقے آریاؤں کا آبائی وطن تھے۔آج کے دور میں تاریخ اور جغرافیہ کی ترقی اور انسانی آبادیوں کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی کی وجہ سے کئی نئے علاقے اور نئے مقامات آباد ہوگئے۔ 4000 سال قبل کا عالمی پس منظر یہ بتاتا ہے کہ انسان ترقی یافتہ نہیں تھا۔اسے دھاتوں سے اوزار بنانے کا ہنر بھی نہیں آتا تھا، وہ کچے مکانوں اور گھاس پھوس کی جھونپڑیوں میں زندگی گذارتا تھا۔لباس کی بجائے جھاڑوں کے پتوں اور چھالوں سے اپنے جسم کو ڈھانکنے کا عادی تھا۔ رفتہ رفتہ ترقی ہوئی تو انسان نے دھاگہ بنانے اور دھاگے سے کپڑا بنانے کا ہنر سیکھ لیا۔لیکن کپڑے سے لباس بنانے کا ہنر اسے نہیں آیا تھا۔عالمی تناظر میں پانچ تہذیبوں کو قدیم دور سے ہی ترقی یافتہ تہذیبوں کا درجہ حاصل تھا، ان تہذیبوں میں وادی نیل کی تہذیب کی حیثیت سے مصر کے انسانوں نے لباس اور تعمیر کے اعلیٰ طریقے ایجاد کر لیے تھے۔وادی سندھ کی تہذیب کی حیثیت سے ہندوستان کے باشندوں نے مٹی کے برتن بنانے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ یونان کی تہذیب ساری دنیا میں اس لیے مشہور تھی کہ اس ملک میں بسنے والے باشندوں نے سب سے پہلے عقل وفراست کے استعمال اور اس کے توسط سے علم وہنر کی بنیاد رکھی تھی۔روم کی تہذیب شہنشاہیت اور

فوجی برتری کے لیے مشہور تھی۔ روم کے باشندوں نے بادشاہت قائم کرنے کے نئے نئے طریقے اور فوجیوں کی تربیت کے اعلی طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ اسی طرح عالمی سطح پر پانچویں اور سب سے بڑی تہذیب چین کی تہذیب کہلاتی تھی۔ اس ملک کے باشندوں نے دھاتوں کو پگھلا کر ان دھاتوں سے کام لینے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ ساری دنیا میں چین کی تہذیب دیوار چین کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہے۔ ان تمام تہذیبوں کی ترقی کا دور عام طور پر دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح ہے۔ مصر کے اہرام یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہاں کے باشندوں نے قدیم دور میں ہی ایسے مسالے تیار کر لیے تھے کہ جن کے ذریعہ جسم کو سڑنے گلنے سے بچایا جاتا تھا۔ مختلف مسالوں کے ذریعہ حنوط شدہ لاشیں اہرام مصر کی تعمیر اسی دور کی یادگار ہیں۔

یونان کے مشہور دانشوروں میں سقراط، بقراط اور ارسطو کے کارنامے اہمیت کے حامل ہیں۔ روم کی فوجی طاقت ساری دنیا میں مشہور تھی، اسی طرح ہندوستان کے مٹی کے برتن اور چین کی مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی اشیاء سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالمی سطح پر پانچ ممالک ہی ترقی یافتہ ممالک کا درجہ رکھتے تھے۔ چونکہ آریاؤں کا وطن وسط ایشیاء تھا اور اس دور میں کسی قوم کو دوسری قوم سے رابطہ قائم کرنے کا وسیلہ نہیں تھا۔ اس لیے وسط ایشیاء سے آریائی قوم اپنے وطن کو چھوڑ کر سندھ کے علاقے میں داخل ہوئی۔ اس قوم کی قدرتی بناوٹ اور ان کی فطری خصوصیات ہی ان کی مددگار رہیں۔ غرض اپنے آبائی وطن یعنی وسط ایشیاء سے ہندوستان منتقل ہونے تک آریائی قوم عالمی تہذیب سے کوئی واقفیت نہیں رکھتی تھی انہیں اپنے ملک کی ترقی کے بارے میں بھی معلومات نہیں تھیں۔ عام انسانوں کی طرح وہ بھی چرواہوں کی زندگی گذارتے اور اپنے جانوروں کو چراتے ہوئے زندگی کا مقصد حاصل کرتے تھے۔ کسی بھی کتاب میں یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی کہ آریاؤں نے وسط ایشیاء سے سندھ میں قدم رکھا تو وہ تعلیم یافتہ تھے اور ان کو لکھنے پڑھنے کے ہنر سے آگاہی تھی۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آبائی وطن یعنی وسط اشیاء سے سفر کر کے سندھ میں اس لیے داخل ہوئے کہ انہیں اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے چراگاہیں درکار تھیں۔ وسط ایشیاء کی چراگاہیں ان کے لیے ناکافی تھیں، اس لیے انہوں نے نئے مقام کی چراگاہوں کی تلاش میں ہندوستان کے اولین مرکز یعنی سندھ جیسے علاقے کی طرف رخ کیا۔ اس توسط سے آریاؤں کا پیشہ پالتو جانور چرانا اور ان کی زندگی کا مقصد اپنی نسل کو آگے بڑھانا تھا۔

2.3.3 آریاورت کی توضیح اور اس میں شامل علاقے

وسط ایشیاء سے ہندوستان میں داخل ہونے والی قوم سارے ہندوستان میں آریا قوم کی حیثیت سے مشہور ہوئی۔ یہی آریا قوم نے دراوڑیوں کو سندھ، پنجاب اور دوآبہ میں شکست دینے کے بعد شمالی ہند کے تین بڑے علاقوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ ان تینوں علاقوں کی سرسبزی اور شادابی کے علاوہ ان علاقوں کی آب و ہوا سے متاثر ہو کر آریاؤں نے سندھ، پنجاب اور دوآبہ کے تمام تر علاقے کو آریاورت کی حیثیت سے شناخت دی۔ اپنی قوم کی امتیازی خصوصیت کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے تین بڑے علاقوں پر مشتمل اتر راشٹرا کے علاقے کو آریاورت کے نام سے جانا جاتا یاد ہے۔ اس آریاورت میں بسنے والے باشندے صرف آریا قوم سے تعلق رکھنے والے ہی نہیں تھے، بلکہ دراوڑی قوم سے تعلق رکھنے والے باشندے بھی تھے۔ 1500 قبل مسیح کے دوران سندھ اور پنجاب کو خیر باد کہہ کر دراوڑی دوآبہ گنگ وجمن میں بس گئے تھے۔ جب 1500 قبل مسیح میں آریاؤں

نے اپنے تمام تر علاقے کو آریا ورت کی حیثیت سے شہرت دی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ آریا قوم کے گیانی اور دانشور افراد نے یہ محسوس کیا کہ اس ملک میں بسنے والی دونوں قوموں یعنی آریا اور دراوڑی کی رہنمائی کے لیے اصول مدون کئے جائیں اور انسانوں کو مناسب زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کرنے کے لیے رہنمایانہ خطوط وضع کئے جائیں۔ یہ وہ دور تھا جبکہ سندھ اور پنجاب سے لٹے پٹے دراوڑی بھی دوآبہ میں بس گئے تھے۔ آریاؤں کو مسلسل دو مقامات پر کامیابی حاصل ہونے کی خوشی میں دوآبہ میں بیٹھ کر آریا قوم نے آریاورتھ کی برتری کے لیے ویدک دھرم کا آغاز کیا اور چار ویدوں کی ترتیب کے ذریعہ انسانوں کی طبقات کے تقسیم کا کام انجام دیا۔

2.3.4 آریاؤں کی ابتدائی بولیاں

آریائی قوم ہندوستان کے تین اہم علاقوں پر اپنا تسلط جمانے میں کامیابی ہوگئی۔ وہ تین علاقے سندھ، پنجاب اور دوآبہ گنگ وجمن کے علاقے کہلاتے رہے۔ اس پرانے دور میں آریاؤں کو پانی جیسی ابتدائی ضرورت کو اپنے گھروں میں منتقل کرنے کا ہنر نہیں آتا تھا اور نہ ہی انہوں نے ایسی اشیاء تیار کی تھیں کہ جن میں پانی کو ذخیرہ کیا جاسکتا تھا۔ قدیم آریائی تہذیب اور دراوڑیوں کے پیشوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قومیں مٹی کے برتن بنانے میں ماہر تھیں۔ خاص طور پر کمہار کا پیشہ ان دونوں قوموں میں اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ مٹی کے چھوٹے چھوٹے برتن اور ظروف بنانے میں آریا اور دراوڑی قوم مہارت حاصل کر چکے تھے۔ مٹی کی بڑی چیزیں بنانے کا ہنر انہیں نہیں آتا تھا۔ آریاؤں نے کپڑا بنانے کا ہنر سیکھ لیا تھا اور پیشہ ورانہ طور پر لوگ ہاتھ سے کپڑا بنانے کے ہنر سے واقف ہوگئے تھے۔ دھات کے چھوٹے موٹے ہتھیار بنانے کا ہنر بھی آچکا تھا لیکن آریاؤں اور دراوڑیوں کی زبانوں کو لکھنے کی صلاحیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ آریاؤں نے سندھ، پنجاب اور دوآبہ پر اپنا قبضہ جمایا تو ان تینوں علاقوں میں آریاؤں نے دراوڑیوں کی زبانوں کو قبول کرنے کے بجائے خود اپنی وسط ایشیا سے لائی ہوئی زبانوں میں مقامی اثرات کو قبول کر کے انہیں بول چال کی زبان کا درجہ دے دیا۔ سندھ میں آریاؤں کی ابتدائی بولی پرائچہ کافی مقبول رہی۔ اسی پرائچہ کو آریائی قوم پنجاب میں رواج دے سکتی تھی لیکن پنجاب کے موسم اور وہاں کے پھل پھول سندھ کے علاقوں سے بالکل مختلف تھے، اسی لیے آریاؤں کو جب پنجاب میں داخل ہونے کا موقع مل گیا تو انہوں نے سندھ میں بولی جانے والی زبان پرائچہ کو فروغ دینے کے بجائے پنجاب کے علاقے میں ایک نئی بولی مدھیچہ کی بنیاد رکھی۔ جب دوآبہ گنگ وجمن میں آریاؤں کا تسلط ہوا تو انہوں نے سندھ کی پرائچہ اور پنجاب کی مدھیچہ کے بجائے اتر دیش کی زبان ادھیچہ کی حیثیت سے رواج دیا۔ بنیادی طور پر یہ تینوں زبانوں میں کیا اشتراک تھا اور کیا ردوبدل اختیار کیا گیا تھا، اس کا ثبوت حاصل کرنا سخت دشوار ہے کیونکہ آریاؤں نے ان تینوں بولیوں کا استعمال 2000 قبل مسیح سے 1500 قبل مسیح کے دوران جاری رکھا۔ جب 1500 قبل مسیح میں آریاؤں کی آمد دوآبہ گنگ وجمن میں ہوئی تو انہوں نے پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کے ملاپ سے چار ویدوں کی زبانوں کو فروغ دیا۔ ہندوستان کی سرزمین میں تین مختلف علاقوں میں مختلف بولیوں کے اثرات رکھنے والے آریاؤں نے دوآبہ میں پہنچ کر جب چار وید لکھے تو ان ویدوں میں پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کے اثرات موجود تھے لیکن سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آریاؤں نے ویدوں کو جس زبان

میں تحریر کیا وہ زبان ویدوں کی قدامت کی وجہ سے ویدک سنسکرت کے نام سے یاد کی جاتی رہی۔ ویدک سنسکرت چونکہ تحریری زبان ہے جس میں چار ویدوں کا وجود عمل میں آچکا ہے اس لیے ویدوں سے پہلے آریاؤں نے 2000 قبل مسیح سے 1500 قبل مسیح تک یعنی 500 سالہ دور میں جن بول چال کی زبانوں کو سندھ، پنجاب اور دوآبہ گنگ وجمن میں فروغ دیا، انہیں آریاؤں کی ابتدائی بولیوں کی حیثیت سے شناخت کیا جاتا ہے اور یہ تین بولیاں پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کی حیثیت سے شناخت رکھتی ہیں۔ پراچین بھارت یعنی سندھ کی بولی پرائچہ کہلائی، جبکہ مدھیہ بھارت یعنی پنجاب کی زبان مدھیچہ کہلائی جبکہ اتر بھارت یعنی دوآبہ گنگ وجمن کی زبان ادھیچہ کہلائی، جو بول چال کی زبانیں تھیں جس کے 500 سال کے بعد آریاؤں کے ویدوں کا دور شروع ہوتا ہے اور ویدوں میں لکھی ہوئی تحریری زبان ویدک سنسکرت کا درجہ رکھتی ہے۔

2.3.5 ہند آریائی زبان کے مختلف عہد

ہند آریائی زبان کا شمار اہم اور قدیم زبانوں میں ہوتا ہے۔ قبل مسیح دور میں اس کی مفصل تجزیاتی قواعد ملتے ہیں۔ جن میں لسانیاتی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ ہند آریائی ہندوستان میں آریوں کے ساتھ آئی۔ ہندوستان میں آریہ گروہوں میں متعدد بار آئے اور وہاں کے مقامی باشندے اور مختلف علاقوں میں ڈھکیل کر آباد ہوتے رہے۔ آریہ نسل کے لوگ شمالی ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور وہی ان کی زبان پھولنے اور پھلنے لگی۔ ماہرین لسانیات نے اس زبان کے فروغ سے متعلق معلومات درج کی ہیں جو درج ذیل کے مطابق ہیں۔

(۱) قدیم آریائی:

قدیم ہند آریائی کی تفصیلات سے بحث کرتے ہوئے علمائے لسان کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس طرح اس دور میں سنسکرت عالموں کی زبان بن جاتی ہے۔ پروفیسر گیان چند جین نے قدیم ہند آریائی کو دو ادوار میں تقسیم کر کے تفصیلات دی ہیں۔ اور انھوں نے بولنے اور لکھنے کی زبان میں پائے جانے والے واضح فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ دور نہایت قدیم دور ہے۔

(۲) وسطی ہند آریائی:

یہ دور دراصل پراکرتوں کے آغاز وارتقاء کا عہد ہے۔ پراکرتوں سے مراد وہ فطری زبانیں ہیں جو پابندیوں اور قواعد نویسوں کے جکڑ بندیوں کے سبب سنسکرت کے پہلو بہ پہلو وجود میں آگئی ہیں۔ جن میں فطری روانی اور سلاست تھی اور جو عوام کی روزمرہ ضرورت ہوا کرتی تھیں۔، اس عہد میں سنسکرت عوام کی زبان نہیں رہ گئی تھی وہ خواص کی زبان ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کو ایک قسم کا تقدس حاصل ہو گیا تھا۔ اس لیے عوام پر اس ایک قسم کا اعتبار ختم ہو گیا تھا۔ عوام اس سے دوری اختیار کر کے فطری اور دیسی زبانوں میں دلچسپی لینے لگے۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں علاقائی تقسیم کے ساتھ اس زبان میں پانچ مختلف زبانیں شامل ہیں۔ جو قابل ذکر ہیں۔

(۳) مہاراشٹری پراکرت

یہ سب سے اہم پراکرت تھا۔ اس عہد کا بیشتر شعر وادب اسی پراکرت میں ملتا ہے۔ سنسکرت ڈراموں کے گیت اس میں ملتے

ہیں۔ یوں تو اس کا تعلق مہاراشٹر کے علاقہ سے ہے لیکن بہت سے لوگوں کے نزدیک پراکرت پورے ملک کی نمائندگی کرتا ہے۔
شیوسینی پراکرت: اس کا مرکز شورشین یعنی متھرا کا علاقہ تھا۔ اس کے قدیم ترین نمونے سے سنسکرت ناٹکوں میں ملتے ہیں۔ سنسکرت کے بعد اسی کو سب سے زیادہ قدر و منزلت حاصل تھی۔

(۴) ماگدھی

یہ پورے مشرقی ہندوستان کی بولی تھی۔ اس کا مرکز مگدھ یعنی جنوبی بہار تھا۔ چونکہ یہ آریوں کے مرکز سے دور تھی اس لیے اس پر غیر آریائی بولیوں کا شدید اثر ہے۔ آریہ اس پراکرت کو حقارت سے دیکھتے ہیں اسے عام طور سے غیر معیاری وغیرہ مذہبی زبان سمجھا جاتا تھا۔

(۵) اردھ ماگدھی

شورینی اور ماگدھی پراکرتوں کے درمیانی علاقے میں بولی جانے والی پراکرت اردو ماگدھی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا مقام اودھ اور مشرقی یوپی تھا۔ یہ مقام پراکرتوں میں سب سے قدیم ہے۔ اردھ ماگدھی کی قدیم شکل ہی میں جین اور بدھ کے مبلغوں نے اپنی تبلیغ کی۔ یہ خالص ہند آریائی زبان تھی اس میں تمام ہند آریائی زبان کی خصوصیات موجود تھی۔

(۶) جدید ہند آریائی

جدید ہند آریائی دور دراصل ان اپ بھرنشوں کا دور کہلاتا تھا۔ جو فطری طور پر پہلو بہ پہلو سر اٹھا رہے تھے۔ جس طرح سنسکرت کو دھکیل کر پراکرت نے جگہ لی تھی اور اسی طرح عوام کی ضرورتوں کے مطابق یہ زبان پھیلنے پھولنے لگی تھی اسی طرح اپ بھرنشوں نے پراکرتوں کو ہٹا کر خود وہ جگہیں سنبھالی لیں۔ اور عوام کی روزمرہ ضرورتوں کا بار اپنے سر لیا۔ جس سنسکرت کو پاک صاف رکھنے کے لیے اس کے قواعد نویسوں نے اس کو اصول وقوانین کی پابندیوں میں جکڑ دیا اسی طرح پراکرت کے قواعد نویسوں نے جب پراکرتوں کے لیے کچھ ایسے ہی کڑے اصول ایجاد کیے تو اس کی ترقی کو بھی صدمہ پہنچا۔ زبان کو خالص رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے والے چند لوگ ہوتے ہیں جو اسے عوام کی ہمدردیوں سے محروم کر دیتے ہیں۔ روزمرہ ضرورتیں گفتار کے مختلف اسالیب اختیار کرتی ہیں۔ جن میں صناعی اور بناوٹ کے بجائے ضرورت کی الفاظ پر زور ہے۔ چنانچہ ایک فرسودہ محاورہ عوام کی بارگاہ میں بار پانے اور پروان چڑھنے لگتا ہے۔ یہی پراکرتوں کے ساتھ بھی ہوا۔ ان اپ بھرنشوں کے لسانی اہمیت کا یہ عالم ہے ہیں کہ آج جدید ہند آریائی زبانیں تقریباً سب کی سب اپ بھرنشوں سے نکلی ہیں۔ جو درج ذیل کے طور پیش کی جارہی ہیں۔

(الف) شورینی اپ بھرنش:۔ علاقہ شورین یعنی متھرا وغیرہ میں بولا جانے والا اپ بھرنش شورینی اپ بھرنش کہلاتا ہے۔ اس سے کھڑی بولی نکلی جو موجودہ ہندی اور اردو کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح سے اپ بھرنش سے راجستھانی، مشرقی، پنجابی، گجراتی اور پہاڑی بولیاں نکلیں۔

(ب) ماگدھی اپ بھرنش:۔ یہ بڑے وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی۔ مختلف جگہوں پر مختلف نام سے یاد کی جاتی تھی۔ بنگال میں گوڑ اور ڈھکتی جس سے موجودہ آسامی اور بنگالی نکلیں۔ بہار کی تمام بولیاں اسی سے نکلیں بہار کی ماگدھی کی بگڑی شکل ہے۔

(ج) اودھ ماگدھی:۔اس میں خالص ہندآریائی زبانیں موجود تھیں۔

(د) مہاراشٹری (مرہٹی) :۔سنسکرت میں جس کو صوبہ مہاراشٹر کہا گیا ہے۔اس زبان کا خاص مرکز تھا۔

(ھ) اپ بھرنش: جدید زبانوں کا تعلق اپ بھرنش اور پراکرت وسیلے سے سنسکرت سے دیکھائی دیتا ہے۔اس طرح جدید ہندآریائی زبانیں اپنی اصل میں ایک ہی سرچشمہ سے فیضیاب ہوئیں اردوادب پر مختلف تحریکات کا اثر پڑا۔فارسی زبان ادب کے اثرات کو اس دور میں جذب وقبول کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اردو زبان وادب نے بہت کم عرصے میں خود کو دریافت کرلیا اور اس کا دریا فارسی کے سرچشمے سے فیض یاب ہوکر پاٹ دار ہوگیا۔میر نے فارسی بحر کے ایک رکن کو گھٹا کر ہندی بحر میں بھی غزلیں کہی لیکن ہندی بحور چونکہ محدود تھیں اس لیے فارسی نظام عروض کو اپنا کر اردو شاعری میں وسعت اور تنوع پیدا ہوگئے جس کی وجہ سے مختلف اصناف سخن وجود میں آئیں۔اس کے علاوہ صوفیانہ شاعری کی بنیادی روایت بھی فارسی ہی سے اردو میں آتی ہے۔اور صوفیانہ اصطلاحات مثلاً وحدت الوجود، عرفان نفس، پند ونصائح کا بھی انداز ہے۔اٹھارویں صدی عیسوی میں مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور نئی نسل نے سراج الدین خان آرزو کے زیر اثر ایرانی اہل زبان کے خلاف ردعمل کا اظہار کر کے فارسی کے بجائے اردو کو اپنے تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنایا تو آخر وہ ہندوستانی اثرات کے بجائے فارسی شعروادب کی طرف کیوں رجوع ہوئے؟ اگر تہذیبی ومعاشرتی حالات کو سامنے رکھا جائے تو اس کا جواب خود بخود مل جاتا ہے۔فارسی زبان سلاطین دہلی سے لیکر اٹھارویں صدی تک دربار کی زبان تھی۔اس زبان میں علیم وادب کا بڑا سرما یہ موجود تھا۔یہ واحد ادبی علمی زبان تھی جو تہذیبی سطح پر دوسری زبانوں کے مقابلے میں سب سے خراب تھی۔اس زبان کی روایت ادب اس دور کے برعظیم کے تہذیبی مزاج کا حصہ تھی اس لیے جب اردو شاعری کا آغاز ہوا تو اس کے شاعر نمونوں اور سانچوں کے لیے فطری طور پر فارسی زبان وادب ہی طرف رجوع ہوئے بالکل یہی عمل خود فارسی زبان وادب کے ساتھ اس وقت ہوا تھا جب عربوں نے ایران فتح کیا۔اس وقت اردو کی طرح فارسی میں بھی ادب وشعر کا کوئی باقاعدہ نظام یا روایت نہیں تھی۔یہ فارسی روایت اردو زبان وادب کے نئے مزاج کی تشکیل وتعمیر میں وہی کردار ادا کرتی ہے جو عربی روایت نے فارسی زبان وادب کے مزاج کی تشکیل میں کیا تھا۔اس زبان و ادب کے یہ اثرات صرف اردو تک محدود نہیں تھے بلکہ برعظیم کی مختلف علاقائی زبانوں پر اس کے اثرات بڑے تھے۔۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک اردو ادب پر نظر ڈالے تو ہمیں اردو ادب کی ایک جان دار روایت ملتی ہے۔جس کا طویل ماضی تھا۔اور شاندار حال بھی ہے۔ان اثرات نے ایک طرف اردو کے رواج کی تیز کیا اور دوسری طرف شمال وجنوب میں بھی فروغ حاصل ہوا۔

2.3.6 آریائی زبان کی شناخت

آریائی قوم وسط ایشیاء سے ترک وطن کر کے ہندوستان میں داخل ہوئی تھی۔اس قوم کا ایک گروہ ایران کی طرف سفر کر چکا تھا اس لیے ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد آریاؤں کی ابتدائی زبانوں پر ہند ایرانی اثرات موجود تھے۔وادیء سندھ میں آریاؤں نے قیام کے دوران جن بولیوں جیسے پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کو فروغ دیا تو ان میں بولی جانے والی زبانوں میں جہاں آریائی اثرات موجود تھے۔وہیں دراوڑی الفاظ کا استعمال بھی جاری رہا۔جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آریاؤں نے ابتدائی زبانوں سے لے کر سنسکرت زبان کے وجود تک ہندوستان میں جن زبانوں کے آغاز کے لیے ماحول تیار کیا۔اس ماحول میں جہاں آریائی لفظیات کا

استعمال نمایاں رہا، وہیں دراوڑی الفاظ بھی آریاؤں کی زبانوں میں اپنا اثر ڈال رہے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ سندھ کی وادی میں قدم رکھنے کے بعد آریاؤں نے سندھ کی سرزمین کو پراچین قدیم بھارت کا نام دیتے ہوئے وہاں کی زبان کو پرائیچہ کے نام سے موسوم کیا۔ سندھ کے بعد آریا جب پنجاب کے علاقہ میں داخل ہوئے تو پنجاب کے علاقے کو مدھیہ بھارت کا درجہ دے کر وہاں کی زبان کو مدھیچہ کا درجہ دیا گیا۔ جب آریا دوآبہ گنگ وجمن میں داخل ہوئے تو اس علاقے کو اتر بھارت کا درجہ دے کر اس علاقے کی بول چال کی زبان کو ادھیچہ کی حیثیت سے شناخت حاصل ہوئی۔ اس طرح ہندوستان میں 2000 قبل مسیح سے لے کر 1500 قبل مسیح تک آریاؤں کے مختلف علاقوں میں پھیلنے کی وجہ سے علاقائی اثرات کے نتیجہ میں پہلی آریائی بول چال کی زبانیں پرائیچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کا وجود ہوا۔ ان تینوں زبانوں میں مستعمل الفاظ علاقائی نمائندگی کے پروردہ تھے۔ کیونکہ آریا جن جن علاقوں میں پہنچتے گئے وہاں کی آب وہوا اور وہاں کے پھول پھل کے علاوہ اس علاقے کی خصوصیات بھی جداگانہ تھیں۔ اس طرح پراچین بھارت یعنی سندھ اور مدھیہ بھارت یعنی پنجاب اور اتر بھارت یعنی دوآبہ کے علاقے تک پہنچتے پہنچتے 500 سال کے عرصہ میں آریاؤں نے ہر علاقے کی دراوڑی زبانوں اور مقامی اثرات کو قبول کیا اور ان اثرات کو ابتدائی بول چال کی زبانوں میں رواج دیا۔

۱۵۰۰ء قبل مسیح میں جب آریاؤں کو دوآبہ گنگ وجمن میں سکون حاصل ہوا۔ اس دور میں آج کے آگرہ، متھرا، الہ آباد، دہلی اور اس کے اطراف واکناف کے علاقے کو 1500 قبل مسیح میں دوآبہ کہا جاتا تھا۔ ان علاقوں میں آریاؤں نے چار ذاتوں اور چار ویدوں کی بنیاد رکھی۔ جس کا ذکر پچھلے باب میں بھی آچکا ہے۔ غرض آریاؤں کی ذات پات کی تقسیم اور وید مقدس کی تدوین کی وجہ سے بول چال کی تینوں زبانوں کا امتزاج ویدک سنسکرت میں دکھائی دیتا ہے۔ چاروں ویدیں جیسے رگ وید، سام وید، اتھر وید اور یجر وید ہے ان ویدک کی تمام تر زبان کلاسیکی سنسکرت ہے۔ چونکہ وید مقدس کا مطالعہ صرف برہمن ذات تک مختص تھا، عام ہندو نہ تو اس کی تدریس کرسکتا تھا اور نہ ہی اسے چھوسکتا تھا جس کی وجہ سے دوآبہ گنگ وجمن میں پہنچ کر آریاؤں نے سب سے پہلے ویدوں کی تدوین کا کام انجام دیا۔ اس لیے ہندوستان میں بول چال کی تین زبانوں کے بعد تحریری زبان کی حیثیت سے وجود میں آنے والی پہلی آریائی زبان ویدک سنسکرت ہے اور اسی ویدک سنسکرت سے عوامی انداز کی زبان وجود میں آئی جسے سنسکرت کہا جاتا ہے۔ ویدک سنسکرت وید مقدس کی زبان قرار پائی۔ اس کے بجائے عوام میں پھیلنے والی زبان سنسکرت کی حیثیت سے مشہور ہوئی۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ ویدک سنسکرت تحریری اور ادبی زبان تھی جبکہ سنسکرت عوام میں استعمال ہونے والی زبان کا درجہ رکھتی تھی۔ اس طرح وادی ءسندھ میں قدم رکھنے کے بعد مختلف علاقوں سے گذرتے ہوئے آریاؤں نے سب سے پہلے اپنی تین زبانوں پرائیچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کے علاوہ ان تین بولیوں کے اتحاد سے ویدوں کی زبان ''ویدک سنسکرت'' کا آغاز کیا۔ عوام میں پھیلنے والی سنسکرت بھی ویدک سنسکرت سے استفادہ کرتی ہے۔

2.3.7 آریائی زبانوں کی مقبولیت کی وجہ

ہند آریائی زبانوں کو عوام نے قبول کیا۔ اور ان زبانوں کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ آریاؤں نے نہ صرف اپنی

زبانوں کو تبدیلیوں سے وابستہ رکھا بلکہ وقفہ وقفہ سے آریائی زبان میں نئے نئے کارنامے انجام دیے۔ آریائی زبانوں کی مقبولیت کی سب سے پہلی وجہ یہ دکھائی دیتی ہے کہ اس قوم نے دوآبہ گنگ وجمن میں ویدک دھرم کی بنیاد رکھی۔ چار ویدیں لکھ کر انسان کو چار ذاتوں میں بانٹ دیا۔ اس دانشورانہ عمل سے پیشہ وارانہ سطح پر انسانوں کی شناخت ہونے لگی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ آریا قوم وسط ایشیاء سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ اس قوم کے مختلف گروہ دونیا کے مختلف خطوں میں پہنچے تھے۔ آریاؤں کا ایک گروہ ایران کی سرزمین میں پہنچ چکا تھا۔ اس طرح آریاؤں نے جب ہندوستان کی سرزمین میں بولیوں کی حیثیت سے پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کے علاوہ تحریری زبان کی حیثیت سے ویدک سنسکرت اور عوامی زبان کی حیثیت سے سنسکرت کو فروغ دیا تو آریائی زبانوں کی بنیادی شناخت دنیا کی دوسری زبانوں کے مماثل تھی۔ آریائی زبان کا اختتام ہر لفظ کے آخری رکن کے ساکن ہونے سے کیا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی زبانیں بھی اپنے آخری الفاظ کو ساکن رکھ کر اپنی شناخت بناتی ہیں۔ اس اعتبار سے آریائی زبان ہندوستان میں پھیلنے کی وجہ سے ہی مقبول نہیں تھی بلکہ اس کے اثرات دنیا کی دوسری زبانوں پر بھی واضح تھے۔ اس کے علاوہ آریاؤں نے دیومالائی ادب کی بنیاد رکھی۔ پنچ تنترا کی کہانیاں اور ہتوپ دیش کے علاوہ جاتک کتھائیں آریائی زبان سے منسوب اہم کارنامے ہیں۔ اسی طرح شاعری میں سب سے پہلے رزمیہ شاعری (Epic poetry) کی بنیاد رکھ کر رامائن اور مہابھارت کے کارنامے انجام دیے گئے۔ فلسفہ اور دیگر علوم کی نمائندگی اپنشد اور پرانوں سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ تمام کارنامے سنسکرت کے توسط سے آریاؤں نے انجام دیئے۔ اس لیے آریائی زبانوں کی مقبولیت اور ان کو عالمی سطح پر معیار حاصل ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ دراوڑیوں کے توسط سے ایسے کسی قسم کے کارنامے انجام نہیں دیے گئے۔ اس لیے آریائی زبانوں آریائی زبانوں کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

2.3.8 سندھ پر آریاؤں کے تسلط کے مثبت اثرات

آریاؤں نے شروعات میں سندھ پر تسلط حاصل کیا پھر وقفہ وقفہ سے دراوڑیوں کو پنجاب اور دوآبہ سے بھی نکال باہر کیا۔ آریاؤں کے اس تسلط کے منفی اثرات پر توجہ دینے کے بجائے مثبت اثرات پر توجہ دی جائے تو یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان میں آریائی باشندے سندھ پر اپنا تسلط نہ جماتے اور دراوڑیوں کو یکے بعد دیگرے ہندوستان کے اندر نہ ڈھکیلتے تو ایک وسیع ہندوستان وجود میں نہیں آتا۔ دراوڑی سندھ میں آباد ہوکر مطمئن زندگی گذار رہے ہوتے تو انہیں ترک وطن یا نقل مکانی کا احساس نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ماحول کی یکسانیت کی وجہ سے بھی دراوڑیوں میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہورہی تھی۔ وسط ایشیاء سے سندھ پر تسلط کی وجہ سے آریاؤں میں یہ تبدیلی آئی کہ وہ اپنے وطن کے ماحول اور وہاں کی آب وہوا سے ہٹ کر دوسرے علاقے کے ماحول اور آب وہوا میں زندگی گذارنے کے عادی ہوگئے۔ آریاؤں کے تسلط کی وجہ سے یکے بعد دیگرے پنجاب اور دوآبے کے مقامات کا علم ہوا۔ ان تمام علاقوں میں انسانی آبادیوں کی نقل وحرکت کا سلسلہ شروع ہوا۔ سندھ میں آریاؤں کی آمد کا مقصد صرف اپنے پالتو جانوروں کو چراگاہیں فراہم کرنا تھا۔ وہ جیسے جیسے ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پھیلتے گئے ویسے ویسے ان کے تدبر اور تفکر میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ چنانچہ 2000 قبل مسیح سے 1500 قبل مسیح کے پانچ سو سالہ دور میں سندھ، پنجاب اور دوآبہ کے علاقہ تک پہنچتے پہنچتے ان کے فکری تغیر کی خصوصیات نمایاں ہوئیں۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ ''سفر باعث ظفر'' اس کے مصداق 500 سال تک آریاوں کی مختلف

نسلیں سندھ سے دوآبہ تک سفر کرتی رہیں۔جس سے ان کے علم وتدبر میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔یہی وجہ ہے کہ آریاؤں کے تسلط کے بعد ہندوستان جیسے عظیم ملک میں دوآبہ کی سرزمین کو آباد کر کے آریاوں نے انسانوں کو چار ذاتیں جیسے برہمن، ویش، چھتری اور شودر میں تقسیم کیا۔اس کے ساتھ ہی مقدس وید جیسے رگ وید، سام وید، اتھروید، اور یجروید تحریر کئے۔آریاؤں میں تبدیلی اوران میں تدبر اور تفکر کا احساس ہندوستان کی سرزمین میں دوبالا ہوگیا۔چنانچہ وہ مسافر کے درجہ سے ترقی کرتے ہوئے ادیب اور شاعر کی حیثیت سے دو آبہ گنگ وجمن کی سرزمین کو مالا مال کرنے کا وسیلہ بنتے گئے۔آریاؤں کے سندھ پر تسلط کے اس مثبت نظریہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

2.3.9 آریاؤں کا پہلا پڑاؤ۔سندھ

آریاؤں کے وطن اوران کے درہ خیبر سے ہندوستان میں داخلے کی تفصیلات پچھلی اکائی میں بیان کی گئی ہیں۔اس باب کے اس جز میں تفصیلات سے احتیاط برتتے ہوئے ان حقائق کی پس منظر پر توجہ دی جارہی ہے جن کے ذریعہ نتیجہ اخذ کرنے میں سہولت ہوتی ہے کہ آریاؤں نے کس طرح اس ملک کو سجانے اور سنوارنے میں اپنی خدمات انجام دیں۔وادیء سندھ کی تمام تر آبادی دراوڑیوں پر مشتمل تھی۔دراوڑیوں کے شکست کھانے کے بعد سندھ کے سارے علاقے پر آریاؤں کی اجارہ داری شروع ہوگئی۔اس طرح ہندوستان کی سرزمین میں آریاؤں کا پہلا پڑاؤ سندھ کی سرزمین میں ہوا۔سندھ جیسے علاقہ میں رہتے، بستے ہوئے 2000 قبل مسیح سے 1500 قبل مسیح تک آریاؤں نے اس علاقہ کو ملک کے قدیم حصے کی حیثیت سے شہرت دی اور سندھ کے علاقہ کو پراچین بھارت کا موقف حاصل ہوگیا۔اس کا ثبوت یوں بھی ملتا ہے کہ جب تک دراوڑی سندھ کی وادی میں آباد تھے، ان کی زبان دراوڑی اس علاقے کی مؤثر نمائندگی کرتی تھی۔جب آریاؤں نے سندھ کو اپنے قبضہ تصرف میں لیا تو انہوں نے دراوڑی زبان کو قبول کرنے کے بجائے وسط ایشیاء کے علاقوں سے اپنے ساتھ لائی ہوئی آسٹرک زبان کے تاثرات کو لے کر سب سے پہلے سندھ میں جس بولی کا آغاز کیا اسے ماہرین لسانیات پراچیہ کی حیثیت سے شناخت کرتے ہیں۔آریاؤں نے سندھ میں پہلا پڑاؤ ڈالنے کے بعد قدیم دراوڑیوں کی زبان کو اختیار نہیں کیا بلکہ ایک نئی زبان کے لیے ماحول تیار کیا اور یہ نئی زبان پراچیہ کی حیثیت سے بولی جاتی تھی، جسے لکھنے کا تصور موجود نہیں تھا اس زبان میں الفاظ کا رکھ رکھاؤ کم اور اشاروں کا رکھ رکھاؤ زیادہ تھا۔پراچیہ زبان کی لفظیات کیا تھی اور وہ کس انداز سے لکھی جاتی تھی اس کا کوئی ثبوت تاریخ کے آثار میں دکھائی نہیں دیتا۔لیکن سندھ کے علاقہ میں آریاؤں کے پڑاؤ کے موقع پر طویل عرصہ تک آریاؤں کی بولی اور سمجھی جانے والی زبان کی حیثیت سے پراچیہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔جو بول چال کی زبان تھی۔اس زبان میں آریائی اثرات کا ڈھانچہ موجود تھا۔پراچیہ کی کوئی شکل آج موجود نہیں لیکن جب آریاؤں نے دوآبہ میں چار ویدیں لکھیں تو ان ویدوں میں موجود لفظیات اور اشاروں کا تعلق پراچیہ سے ہی نہیں بلکہ مدھیچہ اور ادھیچہ سے بھی قائم ہوجاتا ہے۔اس لیے یہ تصور کیا جانا چاہئے کہ آریاؤں کے ابتدائی پڑاؤ کے وقت سندھ میں بولی جانے والی پراچیہ زبان کے اثرات ویدک سنسکرت میں نمایاں ہیں۔

2.3.10 آریاؤں کا دوسرا پڑاؤ۔ پنجاب

مسلمانوں کی آمد کے بعد جو پنجاب کا علاقہ کہلاتا ہے اس دور میں اس علاقے کا نام کیا تھا اور وہاں کس قسم کی آبادیاں تھیں، اس کے حقائق نمایاں نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد فارسی کے الفاظ پنج بمعنی پانچ اور آب بمعنی پانی کا ذخیرہ، اس طرح پانچ پانی کے بڑے ذخائر کی بنیاد پر اس علاقہ کا نام پنجاب قرار پایا۔ آریاؤں نے جب سندھ پر دراوڑیوں کو شکست دی تو بھاگتے دوڑتے دراوڑی قوم کو سندھ کی ایک دریا کے بجائے پنجاب کے پانچ دریاؤں سے استفادہ کا موقع ملا، لیکن دراوڑیوں کو زیادہ وقفہ تک پنجاب میں سکون پذیر ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ سندھ میں قبضہ کرنے کے بعد آریاؤں کو کئی سو سالوں کے بعد وادیٔ سندھ کی چراگاہیں ناکافی ہوئیں۔ چنانچہ وہ اپنے جانوروں کے لیے نئی چراگاہوں کی تلاش میں پنجاب کے علاقے میں پہنچے، جہاں دراوڑی پہلے سے قابض تھے۔ انہوں نے دراوڑیوں کو شکست دی اور آریاؤں کا دوسرا پڑاؤ پنجاب میں قائم ہوا۔ اس دور میں ہندوستان کا مرکزی علاقہ پنجاب سمجھا جانے لگا اس لیے پنجاب میں آریاؤں کی بول چال کی زبان سندھ کی پراچیہ سے بالکل مختلف ہوگئی۔ انہوں نے پنجاب کے علاقوں میں جس آریائی زبان کو فروغ دیا اس کا نام مدھیچہ رکھا گیا۔ مدھیچہ جیسی بول چال کی زبان میں بھی آریائی اثرات موجود تھے۔ کیونکہ یہ زبان پنجاب کے مختلف علاقوں میں بولی جاتی تھی اور اس کے لکھنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اس لیے مدھیچہ کی شکل کیا تھی یہ کہا نہیں جا سکتا لیکن آریاؤں نے بعد کے دور میں چار ویدیں لکھیں تو ان ویدوں میں سندھ کی پراچیہ کا اثرات ہی نہیں بلکہ پنجاب کی مدھیچہ کے اثرات بھی موجود ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آریاؤں نے سندھ پر پہلا پڑاؤ ڈالا تو وہاں پراچیہ جیسی زبان کو بول چال کی حیثیت دی اور جب پنجاب میں آریاں کا دوسرا پڑاؤ اثر دکھانے لگا تو وہاں مدھیچہ جیسی بول چال کی زبان پیدا ہوگئی۔ آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چار ویدوں میں لکھی ہوئی زبان ویدک سنسکرت میں دیکھا جا سکتا ہے۔

2.3.11 آریاؤں کا تیسرا پڑاؤ ''دوآبہ''

لسانی نقطہ نظر سے یہ کہا جاتا ہے کہ آریاؤں نے دراوڑیوں کو تین مقامات پر شکست دی اور ان تین مقامات پر ان کا پڑاؤ برقرار رہا۔ پہلے دو مقامات وادیٔ سندھ اور پنجاب پر گفتگو ہو چکی۔ اب آریاؤں کے تیسرے پڑاؤ یعنی دوآبہ گنگ وجمن کے دوران پیدا ہونے والے حالات کا ذکر کیا جائے گا۔ دراوڑیوں کو شکست دینے کے بعد آریاؤں نے پنجاب کے بعد دوآبہ پر اپنا قبضہ جمایا۔ دوآبہ پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں ماہرین لسانیات کا استدلال ہے کہ 500 سال کے عرصے میں دراوڑی سندھ سے دوآبہ تک پہنچے۔ دوآبہ میں ان کی جانب سے فروغ پانی والی بول چال کی زبان سندھ کی پراچیہ اور پنجاب کی ادھیچہ سے بالکل الگ زبان تھی۔ جسے لسانیات میں ادھیچہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوآبہ میں قیام کے دوران آریاؤں کو کئی تدبیریں سجھائی دیں۔ اسی دوآبہ میں 2000ء قبل مسیح سے 1500ء قبل مسیح تک زندگی گذارتے ہوئے آریاؤں کی نسل درنسل نے تین آریائی قدیم بول چال کی زبانوں کو فروغ دیا۔ 1500ء قبل مسیح میں جب دوآبہ میں قیام کے دوران آریاؤں کو لڑائی سے نجات مل گئی اور انہیں محسوس ہوا کہ ان کے مقابلے میں کوئی قوم آنے والی نہیں ہے کیونکہ دراوڑیوں کو سندھ، پنجاب اور دوآبہ میں شکست دینے کے بعد آریاؤں نے انہیں دکشن کی طرف

ڈھکیل دیا تھا۔ان کے مقابلے کی خاطر دوبارہ دراوڑی حملہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔جس کے نتیجہ میں یک گونہ سکون محسوس کرتے ہوئے 1500 قبل مسیح سے لے کر 600 قبل مسیح کے دوران دوآبہ کی سرزمین میں چار ویدیں رگ وید، سام وید، اتھر وید اور یجر وید تخلیق کیں۔ان چاروں ویدوں میں پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کے اثرات نمایاں ہیں۔اس طرح آریاؤں کے تیسرے پڑاؤ یعنی دوآبہ کی اہمیت اس لیے زیادہ ہوجاتی ہے کہ آریاؤں نے بول چال کی زبان کی بجائے تحریری زبان کی تخلیق کی۔چنانچہ پرائچہ، مدھیچہ اور ادھیچہ کے میل ملاپ سے چار ویدوں کی زبان یعنی ویدک سنسکرت کی وجود ہوا۔ان چار ویدوں کی زبان کو آریاؤں نے تحریری شکل دے کر اسے سنسکرت کا موقف دیا لیکن ویدوں کی تلاوت صرف برہمنوں کے لیے لازم تھی، اس لیے ویدوں کی سنسکرت محدود ہوگئی اور اس کی شناخت ویدک سنسکرت سے کی جانے لگی، جبکہ عوام میں پھیلنے والی زبان سنسکرت کہلائی۔اس طرح آریاؤں کے تیسرے پڑاؤ دوآبہ گنگ وجمن کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس تیسرے پڑاؤ کے ساتھ آریاؤں کی تحریری زبان کا آغاز ہوتا ہے۔

2.3.12 آریاؤں کی اعلیٰ ذات

دوآبہ گنگ وجمن میں قیام پذیر ہونے کے بعد آریاؤں نے جنگ وجدال سے پرہیز کیا کیونکہ ان سے مقابلہ کرنے والی دراوڑی قوم کو انہوں نے جنوبی ہند کی طرف ڈھکیل دیا تھا۔جنوب کے علاقوں میں رہائش آریاؤں کے لیے مناسب نہ سمجھتے ہوئے اس قوم نے جب پندرہ ویں صدی قبل مسیح یعنی ہند۔آریائی کے عہد قدیم میں چار ذاتوں اور چار ویدوں کی نمائندگی کی تو آریاؤں نے ویدک دھرم کی بنیاد رکھ کر اس دھرم کی سب سے بڑی ذات کی حیثیت سے برہمن کو شناخت دی۔برہمن آریاؤں کی اعلیٰ ذات تھی اور آریاؤں نے اپنے وید مقدس میں چار ذاتوں کی تقسیم کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ خدا کے منہ سے برآمد ہونے والی ذات برہمنوں کی ہے۔اس لیے ان کو اعلیٰ ذات کا درجہ حاصل ہے۔برہمن، چھتری، ویشاور شودر جیسی چار ذاتیں کو قائم کرنے کے بعد آریاؤں نے مذہبی احکامات کی پابندی اور مذہبی عبادات کے علاوہ روحانی ترقیات کی ذمہ داری برہمن ذات کے سپرد کی۔برہمن ذات درحقیقت آریاؤں کی وہ اہم نسل تھی جو مذہبی اعتقادات کے مطابق زندگی گذارنے اور خود کو خدا کی پرستش میں مشغول رکھنے والی ذات تصور کرتی تھی جو وسط ایشیاء سے سندھ کی وادی میں قدم رکھنے کے بعد پنجاب سے دوبہ کا سفر کرکے دراوڑیوں کو شکست دی تھی۔برہمن ذات نے عبادتوں کو اور خدائی احکام کی تابعداری کی۔ہندوستان کی سرزمین میں آریاؤں نے جب ذات پات کا نظام رائج کیا تو اس میں سب سے اعلیٰ ذات کی حیثیت سے برہمن کا انتخاب کیا۔آریاؤں کے ذات پات کے نظام میں کسی ذات سے وابستہ انسان نہ تو دوسری ذات میں منتقل ہوسکتا تھا اور نہ دوسری ذات کے فرد کو ذات بدلی کا موقع دیا جاتا تھا۔پورا ذات پات کا نظام خاندانی اوصاف سے وابستہ تھا، جو شخص جس ذات میں پیدا ہوگیا، وہ ذات اس کا مقدر تصور کی جاتی تھی۔

پنجاب اور دوآبہ گنگ وجمن کے تمام تر علاقوں میں آریائی ویدک نظام کو مقبولیت حاصل ہوئی۔جن ذاتوں کے سپرد جو مصروفیات رکھی گئی تھیں، انہیں اختیار کرنے پر ہر ذات مجبور تھی۔آریاؤں کا ذات پات کا نظام درحقیقت پیشہ ورانہ نظام تھا، مذہبی پیشے یعنی انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک جو بھی رسم ورواج انجام دینے کا معاملہ تھا۔جیسے ویدوں کی قراءت کے علاوہ خاص موقعوں پر وید مقدس کے اشلوک کی پیشکش یہ تمام مرحلے برہمنوں کی پیشہ ورانہ خصوصیات تھیں۔غرض آریاؤں کے ذات پات کے نظام میں

برہمن کو اعلی ذات کا فرد قرار دیا گیا۔ انہیں نہ صرف سماجی حیثیت سے اعلی مقام و مرتبہ حاصل ہوا بلکہ قائم شدہ چار ذاتوں میں آریاؤں کو سب سے بڑی ذات کا موقف حاصل ہوا۔ اس طرح آریاؤں نے مذہب کی باگ ڈور سنبھالنے کو بنیاد پر نہ ملک کے اقتدار پر قبضہ کیا، ساتھ ہی ذات پات کے سخت نظام کو رائج کر کے استحصال کی صورت پیدا کر دی۔ جس وقت ذات پات کا نظام ہندوستان کی سرزمین کا حصہ بنا یعنی 1500 قبل مسیح جو ہند۔ آریائی کا عہد قدیم کہلاتا ہے یعنی آج سے تقریباً 3500 سال قبل، آریاؤں کے ذات پات کے نظام کو اس قدر استحکام حاصل ہوا۔ سارے ہندوستان میں ذات پات کے نظام کے آغاز پر برہمنوں کا اوسط کیا تھا اس کا پتہ نہیں چلتا لیکن آج کے زمانے میں بھی ویدک دھرم کے اعتبار سے برہمنوں کا اوسط صرف 2 فیصد ہے لیکن سیاست اور سماجی زندگی ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر معاملے میں یہی دو فیصد برہمن حکمرانی کرنے کے ساتھ ساتھ معاشی اور معاشرتی سطح پر سربلندی حاصل کئے ہوئے ہیں۔

2.3.13 آریاؤں کی کمتر ذات

آریاؤں نے ہندوستان کے شمالی حصے پر قبضہ کرنے کے بعد دراوڑیوں کو شکست دی اور ذات پات کے نظام کے ذریعہ آریاؤں نے ہندوستان پر سیاسی حکمرانی کے بجائے مذہبی حکمرانی کے لیے ماحول سازگار کر دیا۔ جس کے لیے سب سے اعلی ذات برہمن کا انتخاب کیا، اس ذات میں بیشتر وہ آریا شامل ہوئے جو مذہب پرستی اور خدا ترسی کے حامل تھے۔ اس کے بعد خدا کے سینے سے پیدا ہونے والی نسل چھتری اور خدا کے پیٹ سے پیدا ہونے والی نسل ویش اور خدا کی غلاظت سے پیدا ہونے والی نسل شودر کہلائی۔ اس طرح سب سے کمتر ذات کی حیثیت سے شودروں کو شناخت دی گئی۔ بیشتر دراوڑی قوم کے افراد کو نیچ کام کرنے پر مجبور کیا گیا کیونکہ انہیں شودر کی حیثیت سے شناخت حاصل ہو چکی تھی۔ ان کی ذمہ داریوں میں صاف صفائی، انسانی غلاظت صاف کرنا، جوتے چپل بنانا، چمڑے کی دباغت کرنا شامل تھے۔ جب ذات پات کے نظام کو ترقی حاصل ہوئی تو مختلف پیشے کے لوگ جیسے لوہار، سنار، بڑھئی، موچی اور مہتر بھی شودروں میں شامل ہوئے۔ شودر ہندوستان کے اصلی باشندے دراوڑی تھے۔ آریاؤں کے ذات پات کے نظام میں شودر سب سے کمتر مانی جاتی تھی۔

2.4 خلاصہ

ملک ہندوستان کے تین اہم مقامات جیسے سندھ، پنجاب اور دوآبہ گنگ وجمن میں آبادیوں کا آغاز آریاؤں کی آمد سے ہوا۔ وسط ایشیاء سے آریا قوم اس ملک میں داخل ہو کر سندھ پر قابض ہوئی اور دراوڑی سندھ چھوڑ کر پنجاب میں بس گئے۔ تھوڑے وقفے کے بعد آریاؤں کو سندھ کا علاقہ ناکافی ہوا اور وہ پنجاب پر حملہ آور ہوئے۔ دراوڑی پنجاب سے نکل کر دوآبہ میں زندگی گذارنے لگے۔ تاہم یہاں بھی ان کو سکون حاصل نہیں ہوا۔ اس طرح سندھ میں پہلی شکست اور پنجاب میں دوسری شکست کے بعد دوآبہ میں دراوڑیوں کو تیسری شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آریا قوم جب پانچ سو سال کے طویل عرصہ بعد دوآبہ گنگ وجمن میں جمع ہوئی تو اس نے چار ذاتیں جیسے برہمن، ویش، چھتری اور شودر کے علاوہ چار ویدک کتابیں رگ وید، سام وید، اتھر وید اور یجر وید لکھ کر مذہبی اور روحانی فلسفہ کی

بنیاد رکھی۔ دراوڑیوں کو شودر کا موقف دے کر جنوبی ہند میں ڈھکیل دیا گیا۔ سارے شمالی ہند پر آریاؤں کا قبصہ اور ان کی زبانوں کا عام اثر دیکھا گیا۔ شمال سے جنوب تک سفر کرتے ہوئے دراوڑی قوم نے اپنی زبان میں کوئی تبدیلی نہیں لائی۔ جب جنوب میں دراوڑی پہنچے تو انہوں نے آریائی زبانوں کے علاوہ مسلمانوں کی زبانوں کے الفاظ اپنی تحریروں میں گھلا ملا کر پیش کرنے لگے۔ اس طرح سب سے پہلے جنوبی ہند کی دراوڑی آبادیوں سے ایک نئی زبان کا آغاز ہوا جو گجری اور دکنی کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہے۔ اس دور تک دراوڑیوں کو کم تر سمجھ کر انہیں نظر انداز کیا جاتا رہا جس کی وجہ سے دراوڑی زبانیں جنوبی ہند میں فروغ پانے لگیں۔ جن میں کنڑی، تلگو، تمل اور ملیالم شامل ہیں۔ آریائی زبانوں میں دکنی اور مراٹھی کو اہمیت حاصل ہوئی۔ اس طرح آریاؤں کی زبانوں میں قدیم دور سے ہند۔ آریائی کے عہد جدید تک پہنچتے پہنچتے ایسے ایسے عوامل اختیار کیے گئے کہ جن کی وجہ سے آریائی زبانیں مقبول ہوگئیں اور دراوڑیوں زبانوں نے آریائی الفاظ کو دراوڑی لب و لہجے کے ساتھ قبول کرنا شروع کیا۔ اس طرح سندھ، پنجاب اور دوآبہ میں آریاؤں کی ابتدائی بولیاں موجود رہیں لیکن ان کے مقابل دراوڑیوں بولیوں کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جس کی وجہ سے دراوڑیوں کی تعداد زائد ہونے کے باوجود بھی آریائی زبانوں کو جنوب میں پھیلنے پھولنے کا موقع ملا۔

2.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سے بیس سطروں میں دیجیے۔

(۱) ہند آریائی کا مفہوم واضح کیجیے؟

(۲) آریاؤں کا آبائی وطن پر روشنی ڈالیے؟

(۳) آریاؤں نے اپنی قوم کو بڑھاوا دینے کے لیے کن مقامات پر پڑاو کیے؟

(۴) ہند آریائی عہد کے مختلف زبانوں کا جائزہ لیجیے؟

(۵) وادیء سندھ میں آریاؤں کا تسلط کے مثبت اثرات کس طرح مرتب ہوئے؟

(۶) آریاؤں کی ابتدائی زبانیں کون سی تھی؟

(۷) جدید ہند آریائی زبانوں کا نام بتا کر ان کی اہمیت واضح کیجیے؟

(۸) ''آریاؤں کا وادیء سندھ میں پڑاو'' اس پر مختصر نوٹ لکھیے؟

(۹) قدیم ہند آریائی زبانوں کے نام بتا کر ان کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۱۰) آریاؤں کی آمد ہندوستان میں کس طرح ہوئی؟

(۱۱) شمال سے جنوب تک کا سفر دراوڑیوں نے کس طرح کیا؟

(۱۲) ہندوستان میں بولی جانے والے زبانوں کے نام بتا کران کی وہمیت واضح کیجیے؟

2.6 فہرہنگ

الفاظ		معنی
خیر باد	:	کسی چیز کوترک کرنا۔رخصت کرنا
سکونت	:	بودوباش۔مسلسل قیام
کھوج	:	سراغ۔ٹھکانا۔تلاش۔نشانہ
عافیت	:	سلامتی۔امن۔بھلائی
ذخیرہ	:	خزانہ۔گودام
قدامت	:	قدیم ہونا۔پرانا پن۔کہنہ
حرب	:	لڑائی۔جنگ۔دشمن سے آمنا سامنا
رزمیہ	:	جنگی داستاں۔شاعری میں جنگ کے حالات بیان کرنا
منبع	:	چشمہ۔پانی نکلنے کی جگہ۔ابتداء کا مقام
مسکن	:	رہنے کا مقام۔مکان
قابض	:	قبضہ کرنے والا۔دخیل
وابستہ	:	بندھا ہوا۔متعلق
فروغ	:	رونق۔روشنی۔نور۔کسی چیز میں ترقی

2.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) ہندوستانی لسانیات از: ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
(۲) پنجاب میں اردو از: حافظ محمود شیرانی
(۳) نقوش سلیمانی از: مولانا سید سلیمان ندوی
(۴) اردو زبان کی تاریخ از: ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ
(۵) نقوش سلیمانی از: مولانا سید سلیمان ندوی
(۶) اردو زبان کی تاریخ از: ڈاکٹر مرزا خلیل بیسگ
(۷) مقدمہ تاریخ زبان اردو از: ڈاکٹر مسعود حسین خاں

اکائی ۳ : اردو زبان کی ابتداء سے متعلق مختلف نظریات

اکائی کے اجزاء

3.1 مقاصد
3.2 تمہید
3.3 موضوعات
3.3.1 اردو زبان کی ابتداء سے متعلق مختلف نظریات کا جائزہ
3.3.2 اردو کے بارے میں لسانی نظریہ
3.3.3 برج بھاشہ کا نظریہ
3.3.4 پنجاب کا نظریہ
3.3.5 کھڑی بولی کا نظریہ
3.4 خلاصہ
3.5 نمونے کے امتحانی سوالات
3.6 فہرہنگ
3.7 شفارش کردہ کتابیں

3.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ اردو زبان سے متعلق مختلف نظریات کا مطالعہ کرسکیں گے۔
☆ اردو سے متلعق کھڑی بولی نظریہ سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ محمد حسین آزاد نے پیش کیے ہوئے برج بھاشہ کے نظریے سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ حافظ محمود شیرانی نے پیش کیے ہوئے اردو زبان کا آغاز پنجاب سے ہوا۔اس نظریہ سے واقف ہوسکیں گے۔
☆ اردو سے متعلق لسانی نظریہ کا جائزہ لے سکیں گے۔

3.2 تمہید

اس اکائی میں اردو زبان سے متعلق مختلف نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے۔مثلا اردو کا آغاز نوائے دہلی سے ہوا، اردو آغاز پنجاب سے ہوا، اردو آغاز کھڑی بولی سے ہوا، اردو کا آغاز برج بھاشا سے ہوااور اردو زبان کا آغاز برج بھاشہ سے ہوا، وغیرہ وغیرہ ان نظریات

سے متعلق پیش کیے گئے خیالات کو اس اکائی میں شمار کیا گیا ہے۔ تاکہ طلباء اور دیگر مطالعہ کرنے والے اشخاص بھی لسانی نقطہ نظر سے ان نظریات واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ضروری مواد اور اکائی کے آخری حصے میں طلباء کے لیے خود آموزی کے لیے سوالات داخل کیے گئے ہیں۔

3.3 موضوعات

3.3.1 اردو زبان سے متعلق مختلف نظریات کا جائزہ

کسی بھی زبان کے عروج وارتقاء کی داستان اس قوم کی تہذیب ومعاشرت کے ارتقاء سے وابستہ ہوا کرتی ہے۔ اس کی نمود یکسارگی کسی خاص لمحہ یا وقت میں نہیں ہوتی۔ وہ اپنی شکل اختیار کرنے سے پہلے مختلف مراحل سے گزرتی ہے۔ اسے رنگ وروپ بخشنے اور نکھارنے سنوارنے میں مختلف عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ اردو زبان جو آج دنیا کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانو ں میں سے ایک ہے۔ اس زبان کا اصل سرچشمہ کون سی زبان ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی دستاویز نہیں ہے۔

(۱) سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:۔

''اردو زبان کو ترقی دینے اس کا حلقہ بڑھانے اور ادبی وعلمی رنگ وآہنگ عطا کرنے میں مسلمانوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ بقول سنیتی کمار چٹرجی اگر مسلمان ہندوستان نہ آتے تو جدید ہند آریائی زبانو ں کے ادبی آغاز وارتقاء میں دو ایک صدی کی تاخیر ضرور ہو جاتی۔ مسلمانوں نے مقامی بولی کو اپنایا۔ اپنے خیالات واحساسات کا ذریعہ بنایا۔ اس میں خود اپنی مرضی عربی فارسی کے الفاظ شامل کئے۔ اس طرح یہ بولی نے ایک نیا رنگ وروپ اختیار کر لیا۔ اور یہ گری پڑی بولی آہستہ آہستہ مقبول عام ہوتی گئی۔ ہندوی ہندوستان، دکنی وغیرہ کے نام حاصل کرتی ہوئی ریختہ اور اردو کی شکل میں نمودار ہوئی۔ صوفیوں سنتوں کی سرپرستی میں پروان چڑھی اور عام انسانوں کے جذبات واحساسات کی ترجمان بن گئی۔''

(۲) محمد حسین آزاد :۔

اردو کا سرچشمہ برج بھاشا ہے۔ میر امن، سرسید، امام بخش اور سید ہاشمی اللہ قادری نے بھی برج بھاشا کو اردو کی اصل قرار دیا ہے۔ محمود شیرانی اور گریرسن نے پنجابی اور قدیم اردو کے درمیان مشترک ہے۔ پر وفیسر مسعود حسین خاں نے اپنے تحقیقی کتاب مقدمہ ''تاریخ زبان اردو'' میں کیا۔ نواح دہلی کی بولیوں پر کھڑی بولی اور میلاتی پر خصوصی توجہ دیئے جانے کی وجہ بھی بتائی ہے۔ کہ شہر دہلی ان تینوں کے سنگم پر واقع ہے۔

ڈاکٹر سہیل بخاری شوکت سبزواری، ڈاکٹر زور، ان اردو زبان کے متعلق مختلف نظریات پیش کئے۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے

کہا کہ ''اردو زبان برج بھاشا سے بنی نہ پنجابی سے بلکہ مخلوط زبانوں سے متاثر ہوکر اس نے کھڑی بولی پر اپنی بنیاد قائم کی۔اس طرح مختلف ماہرین لسانیات نے اردو زبان وادب کے متعلق مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔

(۳) پروفیسر مسعود حسین خان :۔

> جو زبان نواح دہلی میں پیدا ہوئی وہ بہت دنوں تک صرف بول چال کی زبان رہی۔ادبی زبان کی حیثیت نہیں حاصل کرسکی۔ادبی حیثیت فارسی کو حاصل رہی۔امیر خسرو، کبیر داس نے اپنے اپنے علاقوں میں کھڑی بولی میں سیاسی حالات کے خراب ہونے کے بیانات پیش کئے ہمیں سوداؔ کی شاعری میں ملتے ہیں۔اٹھارویں صدی کے ان حالات وعوامل کا اثر یہ ہوا کہ اس روایتی معاشرے کے فرد کے کردار میں بحران پیدا ہوگیا۔کردار کے اس بحران کی وجہ سے فرد کی زندگی سے وہ توازن جا تا رہا جو خیر وشر کے درمیان امتیاز پیدکرتا ہے۔ناجی ،سودا، میر، شاہ حاتم وغیرہ کے شہر آشوب اسی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ڈاکٹر تاراچند نے لکھا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف آخر کا برعظیم ایک جنگل معلوم ہوہے۔سارا معاشرہ بے سمت وبے مقصد ہے جس کے سامنے کوئی ایسی منزل نہیں ہے جس سے فرد اور معاشرے کی زندگی میں معنویت پیدا ہوتی ہے۔

اٹھارویں صدی کی ایک اور قابل ذکر بات یہ ھیکہ مرکزیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی برعظیم کے طول وعرض میں چھوٹے بڑے تہذیبی جزیرے وجود میں آجاتے ہیں۔اور یہ نئے تہذیبی جزیرے اپنے دریاوں کو مغلیہ دربار کے انداز پر سجاتے ہیں۔ان دربارو ں میں نئی بات یہ ہیکہ فارسی زبان اور ایرانی تہذیب ثانوی حیثیت اختیار کرلی ہے اور اس کی جگہ اردو زبان اور ہندوستانی تہذیب نے لی ہے۔اس نئی بنتی ہوئی تہذیب کا رخ عوام کی طرف ہے۔علم وادب جواب تک فارسی زبان سے تعلق اس وسیع خلیج کو بھی پاٹ دیا جواب تک دونوں کے درمیان حائل تھی۔اسی کے ساتھ عوام کی تخلیقی صلاحیتوں کا سوتا اس طرح پھوٹا کہ گلی کوچوں میں شعروشاعری کا چرچا ہونے لگا۔خواص واہل علم وادب بھی فارسی میں دادسخن دے رہے تھے۔

اورنگ زیب کی فتح دکن کے بعد بعد شمالی وجنوب کے درمیاں جو دیوار کھڑی تھی دور ہوگئی تھی۔اور یہ دونوں گھر آنگن بن گئے تھے۔فارسی کے مشہور شاعر ناصر علی دکن گئے تو وہ بھی اردو میں غزلیں کہنے لگیں۔اس کے بعد دیوان ولی نے اردو شاعری کو چار چاند لگادی۔اس کے بعد کے شاعروں نے ولی کے نقش قدم کو اپنایا۔اردو زبان تراکیب اور اصطلاح کا استعمال کیا جانے لگا۔اس طرح سے ریختہ گوئی کی روایت اردو شاعری میں شروع گئی ولی نے اردو زبان میں شعر کہنے کے گر سکھائے۔اردو شاعری کو فارسی شاعروں کا مفم البدل بنادیا۔اس دور کی اردو شاعری نے معاشرے کی ہر چھپی ہوئی خواہش پورا کی۔ولی کے بعد میر سودا نے اردو شاعریی کی دنیا میں قدم رکھا۔اس طرح صوفیاء کرام کی آمد نے اردو زبان وادب کو بہت بڑا سرمایہ دیا۔محمد بن تغلق کے ساتھ ایک بہت بڑی آبادی دہلی سے دکن میں منتقل ہوئی اتنی بڑی آبادی کے دکن میں پہنچ جانے سے شمالی ہند میں بولی جانے والی زبان کو پھلنے پھولنے کا بہترین موقع نصیب ہوا۔

محمد بن تغلق نے دولت آباد میں منتقلی کے بعد وفوجیوں کی زبان اور مقامی زبان ایک دوسرے پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ مقامی روایت اور دیسی رسوم ورواج کی حوصلہ افزائی باہمی اتحاد، میل جول، اور معاشرت تمدن، مقامی روایت نے ایسی زبان کی سرپرستی کی جومختلف طبقوں اور علاقوں کے درمیان ربب وضبط معاملات ومعاشرت کا ذریعہ بن سکے۔اوراس مقصد کیلیے دکنی یا قدیم اردو ایک ایسی تھی جس نے مقامی اثرات تیزی سے اپنا کر بین الاقوامی زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔

(۴) بقول جمیل جالبی :۔

''سرزمین دکن کے لسانی وتہذیبی اثرات قبول کرتی ہوئی آزادانہ طور پر نشو ونما پاتی رہی۔یہی زبان ہے جسے آج ہم اردو کے نام سے پکارتے ہیں۔اور جس کا ادب اردو زبان کی تاریخ میں ایک ابدی نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔عادل شاہی، قطب شاہی، سلطنت کے زیر سایہ اس زبان کو فروغ حاصل ہوا۔ابتدائی زمانے کی تخلیقات زیادہ تر ملفوظات اور مذہبی موضوعات تک محدود نظر آتی ہے۔لیکن کچھ مدت کے بعد جہاں زبان میں نکھار پیدا ہوا وہی تخلیقات کے موضوع کا دائرہ وسیع ہوا۔اور کچھ ہی عرصے میں بہترین غزلوں، مثنویوں، قصائد، مراثی نیز داستانوں پر مشتمل شاہکار تخلیقات منظر عام پر آئیں جو اپنی ادبی شان میں شمالی ہند کی تخلیقات سے کسی طرح کم نہیں۔

(۵) نصیرالدین ہاشمی:۔

دکنی اردو کا ادب سرمایہ یقیناً بے حد قابل قدر اہمیت کا حامل ہیں لیکن اس کی لسانی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا دکنی اردو کی سانی خصوصات کچھ تو شمالی ہند کی مقامی لسانی اثرات کا نتیجہ ہیں۔دکنی زبان پر شمالی زبان کے ساتھ ساتھ مقامی بولیوں کے بھی اثرات پڑے۔زبان آہستہ آہستہ نکھر کر ہمارے سامنے نظر آتی ہے۔شمالی ہند میں اردو زبان کی ابتداء ہوئی لیکن ادبی تحقیقات کے سلسلہ میں اولیت جنوبی ہند کو حاصل ہے۔تصنیف وتالیف کا باقاعدہ سلسلہ بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد شروع ہوا۔ابتدائی تصانیف خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی معراج العاشقین کا نام سرفہرست ہے۔اس کے علاوہ فخر الدین نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم بھی اپنی ادبی شان اور شعری لب ولہجہ کی وجہ سے کافی اہم سمجھی جاتی ہے۔عادل شاہی سلطنت نے تقریباً دوسال تک دکن میں ادب اور تہذیب ومعاشرت کا چراغ جلائے رکھا اور دکن میں ادبی وتخلیقی کارناموں کے لئے راہ ہموار کی۔اس میں حکومت کے زوال اور کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہونے کے بعد عادل شاہی سلطنت قائم ہوئی۔

3.3.2 اردو کے بارے میں لسانی نظریئے

اردو زبان کی ترقی وترویج کا سلسلہ شروع ہوا تو اردو کے مصنفین نے ضرورت محسوس کی کہ اردو زبان کا تعلق بھی کسی نہ کسی

زبان سے قائم کیا جائے۔اس لئے مختلف قیاسی نظریوں کا دور شروع ہوا۔اردو میں سب سے پہلے اس زبان کے لسانی نظریہ کو پیش کرنے والے ادیب کی حیثیت سے محمد حسین آزاد کا نام لیا جاتا ہے،جن کی مشہور کتابوں میں ''سخن دان فارس''، ''آب حیات'' اور ''نیرنگ خیال'' کے علاوہ ''دربار اکبری'' کو اہمیت حاصل ہے،ان کی مشہور کتاب ''آب حیات'' کے پیش لفظ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ''اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اردو کا تعلق برج بھاشا سے ہے''۔آب حیات کے دیباچہ کے ذریعہ محمد حسین آزاد نے برج بھاشا سے اردو کے تعلق کو نمایاں کیا،جب حافظ محمود شیرانی نے دکنی زبان کا مطالعہ کیا۔دکنی میں موجود علامت نون کو اہمیت دیتے ہوئے جب اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو''لکھی تو اردو کا ابتدائی انداز دکنی قرار دیتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا کہ اردو پنجابی زبان سے وجود میں آئی ہے۔ڈاکٹر گریرسن نے ہندوستان کے لسانی جائزہ کے دوران یہ حقیقت ظاہر کی ہے کہ اردو زبان مغربی ہندی کی پانچ بولیوں سے وجود میں آئی ہے۔ان کا استدلال یہی تھا کہ اپنی لفظی شناخت کی بنیاد پر اردو کا تعلق کھڑی بولی سے قائم ہوسکتا ہے،کیونکہ کھڑی بولی کے آخری حروف ساکن ہوتے ہیں،جب کہ اردو میں بھی یہی انداز دکھائی دیتا ہے۔اسی لئے گریرسن کے نظریہ کو تقویت پہنچاتے ہوئے سب سے پہلے ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اپنی تحقیقی کتاب ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' کے ذریعہ لسانی حقائق کی نمائندگی کی اور یہ ثابت کیا کہ اردو کا تعلق کھڑی بولی سے ہے۔اس طرح ہندوستان کی دوسری زبانوں سے اردو کے تعلق کو نمائندگی دیتے ہوئے تین اہم نظریات قائم کئے گئے جس کے تحت اردو کا تعلق برج بھاشا سے،اردو کا تعلق پنجابی سے اور آخر میں اردو کا تعلق کھڑی بولی سے جیسے نظریات کی نمائندگی ہوتی ہے۔

3.3.3 برج بھاشا کا نظریہ

محمد حسین آزاد کا نظریہ ''اردو کا تعلق برج بھاشا سے'' کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دور میں اردو لفظیات کے خاکہ میں چند ایسے عوامل شامل تھے جو آج کی اردو میں موجود نہیں ہیں،برج بھاشا کی پہچان اویاوو کی آوازوں سے ہوتی ہے،برج کے یہ اثرات اردو میں نمایاں تھے،جیسے دیکھیو،پڑھیو،لکھیو،شادکام فرمائیو،وغیرہ ان افعال کا استعمال اردو میں برج بھاشا کے توسط سے عام تھا۔ برج کے علاقوں میں خاص طور پر آگرہ کی اہمیت مسلمہ تھی،راجپوتانہ کے بیشتر علاقوں میں عمارتوں کی تعمیر کے دوران برج یعنی چھوٹی چھوٹی گنبدیں بنانے کا تصور عام تھا،اُسی کے توسط سے سارے راجپوتانہ میں برج بھاشا بولی جاتی تھی،اردو کے بیشتر شاعر اور ادیب آگرہ میں پیدا ہوئے اور آگرہ کے قریب کے علاقے یعنی دہلی کو اردو کے مرکز کا درجہ حاصل رہا،اسی کو بنیاد بنا کر محمد حسین آزاد نے یہ تصور کرلیا کہ اردو زبان میں اویاووالی آوازوں کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔اس لئے انہوں نے اندازہ پر برج کی لفظیات پر توجہ دیتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا کہ اردو کا تعلق برج بھاشا سے ہے۔برج بھاشا سے اردو کے تعلق کا لسانی نظریہ بنیادی طور پر قیاسی نظریہ ہے اور اس نظریہ کو اردو کے ماہرین لسانیات نے نظر انداز کردیا ہے۔ اس اعتبار سے محمد حسین آزاد کا ابتدائی نظریہ جو اردو کے تعلق کو برج بھاشا سے ظاہر کرتا ہے یہ حقیقی نظریہ کے بجائے قیاسی نظریہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

3.2.4 اردو کا تعلق پنجاب سے

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی لاہور کے علاقہ میں اردو اور انگریزی سے واقف حافظ محمود شیرانی نے لسانیات سے

واقفیت کے بغیر اپنے مطالعہ اور مشاہدے کو بنیاد بنا کر ''پنجاب میں اردو'' کتاب لکھی۔اس کتاب میں اردو کے تعلق کو ہندوستانی زبانوں سے جوڑتے ہوئے پہلی مرتبہ حافظ محمود شیرانی نے یہ انکشاف کیا کہ اردو پنجابی سے وجود میں آئی ہے۔اپنی کتاب میں اپنے نظریہ کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے حافظ محمود شیرانی نے کئی دلائل بھی پیش کئے ہیں، ان کے دور تک دکنی زبان کے ذخیرے عالم وجود میں آ چکے تھے، فرانس کے مشہور مستشرق گارساں دتاسی نے ولّی اورنگ آبادی کے کلیات کو شائع کر کے ثابت کر دیا تھا کہ اردو شاعری کا باوا آدم ولی اورنگ آبادی ہے۔ولّی کی شاعری دکنی زبان کی نمائندگی کرتی ہے، گارساں دتاسی نے دکنی اور اس کی لفظی خصوصیات کو لسانی پس منظر میں بھی ظاہر کیا، جس سے یہ ثبوت فراہم ہوا کہ موجودہ اردو کا ابتدائی خاکہ دکنی سے مربوط ہے، اسی نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حافظ محمود شیرانی نے محسوس کیا کہ دکنی زبان میں علامت مصدر ''ن'' بکثرت استعمال ہوا ہے، پنجابی زبان میں بھی علامتِ مصدر ''ن'' کا داخلہ موجود ہے، دکنی میں سنن، پڑھن، لکھن، دیکھن، جیسی تراکیب یہ ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ یہ الفاظ دکنی کی شناخت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی خصوصیت کو بنیاد بنا کر حافظ محمود شیرانی نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ اردو کا تعلق پنجابی سے ہے۔

حافظ محمود شیرانی کے اس نظریہ کو لسانی اعتبار سے قبولیت حاصل نہیں ہو سکی کیوں کہ اردو کا علامت مصدر ''ن'' نہیں بلکہ ''الف'' ہے، اردو کے بیشتر الفاظ 'آ' والی و آ وازوں پر ختم ہوتے ہیں، اس لئے لسانی پس منظر میں ''ن'' کی آواز اور ''آ'' کی آواز کے فرق کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کیا گیا کہ اردو میں چونکہ بیشتر ہندوستانی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور اس کے الفاظ میں مماثلت کا پیدا ہونا بھی فطری بات ہے، لیکن اردو میں علامت مصدر کی حیثیت سے ''ن'' کی بجائے ''آ'' کی شناخت موجود ہے۔اس لئے حافظ محمود شیرانی کے نظریہ یعنی اردو کے پنجابی سے تعلق کو قبول نہیں کیا جا سکتا، اس طرح لسانیات سے واقفیت کے بغیر پہلا نظریہ محمد حسین آزاد نے یہ قائم کیا کہ اردو کا تعلق برج بھاشا سے ہے۔اس نظریہ کو لسانی اعتبار سے غلط قرار دیا گیا اُسی طرح اردو کے تعلق کو حافظ محمود شیرانی نے پنجابی سے جوڑنے کی کوشش کی۔ان کے اس نظریہ کی بھی لسانی حیثیت سے بھی نفی ہوتی ہے۔اس طرح اردو کے تعلق کے بارے میں ابتدائی طور پر پیش کئے جانے والے دونوں نظریوں کو غلط ثابت کرتے ہوئے ماہرین لسانیات نے واضح کر دیا ہے کہ اردو نہ تو برج بھاشا سے نکلی ہوئی زبان ہے، اور نہ ہی وہ پنجابی زبان سے برآمد ہوئی ہے بلکہ وہ لسانی حقیقتوں کے پس منظر میں کھڑی بولی سے وجود میں آنے والی اہم اور خالص ہندوستانی زبان ہے۔

3.2.5 اردو کا تعلق کھڑی بولی سے

کھڑی بولی کا نظریہ مسعود حسین خان نے پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے نوائے دلی کا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ اردو کھڑی بولی سے وجود میں آنے والی زبان ہے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر گریرسن نے اپنی بارہ جلدوں میں لکھی ہوئی کتاب ''Linguistic Survey Of India'' کی نویں جلد میں اردو کی تفصیلات درج کرتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جو مغربی ہندی کی پانچ بولیوں سے وجود میں آئی ہے، اُنہوں نے لسانی پس منظر میں کھڑی بولی سے وجود میں آنے والی ''آ'' والی آوازوں کی تین بولیوں اور ''او'' والی آوازوں کو دو بولیوں کی نمائندگی کی ہے، اس پس منظر میں دیکھا جائے تو اردو زبان ''آ'' والی آوازوں سے مسابقت رکھنے والی زبان ہے۔ اردو کے علامت ِمصدر کی حیثیت سے آنا، جانا، لکھنا،

پڑ کھانا، پینا، رونا، سونا، اور ایسے ہی بے شمار مصادر ایسے ہیں جو صوتی اعتبار سے ''آ'' پر ختم ہوتے ہیں، لسانی پس منظر میں کھڑی بولی ایک ایسی زبان ہے جس سے برآمد ہونے والی تمام زبانیں اپنے اختتام پر ''آ'' والی آوازوں کی شناخت رکھتی ہیں، اردو کی صوتی شناخت کا تعین ہو جانے کے بعد جب اس کا تعلق مغربی ہندی کی مختلف بولیوں سے جوڑا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ مغربی ہندی سے وجود میں آنے والی کھڑی بولی ہی ایک ایسی زبان ہے جس سے اردو کا تعلق نمایاں وجوہات کا ضامن بنتا ہے۔ اس نظریہ کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر مسعود حسین خان نے باضابطہ پوری کتاب تحریر کی جو ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' کی حیثیت سے شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں اُنہوں نے دلائل اور لسانی حقائق کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ اردو کا تعلق کھڑی بولی سے ہے۔ یہ نظریہ آج کی اردو لسانیات کا مسلمہ نظریہ تصور کیا جاتا ہے، جسے اردو کے دانشور طبقہ نے قبول کر لیا ہے۔ اس طرح اردو کا تعلق کھڑی بولی سے مربوط ہونے کا لسانی اور تاریخی ثبوت بھی موجود ہے۔

3.4 خلاصہ

اس اکائی میں اردو کے تعلق کے سے مختلف نظریات کی نشاندہی کرتے ہوئے حقیقی اور قیاسی نظریات کو کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگر چہ ڈاکٹر گریرسن نے ''Linguistic Survey Of India'' لکھ کر ہندوستان میں لسانیات کی نشاندہی کی تھی لیکن ہندوستان اقوام کی انگریزی زبان سے عدم واقفیت کی وجہ سے لسانیات کے فن سے استفادہ نہ کر سکی، جس کی وجہ سے اردو کے تعلق کے بارے میں غلط نظریات عام ہوئے۔ اردو کے تعلق سے تین اہم نظریات کا جائزہ اس اکائی میں موجود ہے جس کے مطابق سب سے پہلے محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات'' کے پیش لفظ کے جملہ سے بحث کا آغاز کیا گیا ہے، اُنہوں نے لسانیات سے عدم واقفیت کی وجہ سے یہ لکھ دیا کہ اردو کا تعلق برج بھاشا سے ہے اس نظریہ کو ماہرین لسانیات نے رد کر دیا ہے، جس کے بعد حافظ محمود شیرانی نے دوسرا لسانی نظریہ پیش کیا کہ اردو کا تعلق پنجابی سے ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے لسانی دلائل بھی پیش کئے اور علامتِ ''ن'' کو اردو کی ابتدائی شکل یعنی دکنی میں موجود پا کر اُنہوں نے پنجابی کے ''ن'' سے مشابہت کا نتیجہ اخذ کر کے ثابت کیا کہ اردو پنجابی سے نکلی ہے۔ حافظ محمود شیرانی کا یہ دوسرا نظریہ بھی غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اردو کا علامت مصدر ''ن'' نہیں بلکہ ''آ'' قرار پایا ہے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے لندن کا دورہ کر کے 1931ء میں اپنی کتاب ''Indian Phonetics'' لکھی تو اس کے بعد پہلی مرتبہ اردو میں عملی لسانیات کا آغاز ہوا، ان کی مشہور کتاب ''ہندوستانی لسانیات'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہوں نے پہلی مرتبہ ہندوستانی زبانوں کی لسانیات سے گفتگو کی۔ اُن کے نظریہ سے استفادہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اپنی کتاب ''مقدمہ تاریخ زبان اردو'' کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ اردو کا علامتِ مصدر ''آ'' پر ختم ہوتا ہے اور ''آ'' والی آوازیں صرف کھڑی بولی سے وجود میں آئی ہیں، جو مغربی ہندی کی ایک اہم شاخ ہے، اس نظریہ کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر مسعود حسین خان نے اردو کا حقیقی لسانی نظریہ پیش کیا۔ جس کے مطابق اردو کا تعلق کھڑی بولی سے مستحکم ہو جاتا ہے۔ غرض اس اکائی میں قیاسی نظریوں کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے اور اس کے ساتھ حقیقی نظریہ کی نشاندہی کر کے طلبہ کے ذہن کو

اس جانب مائل کیا گیا ہے کہ وہ غلط نظریوں کو بھی شناخت کرسکیں اور اس کے ساتھ ہی حقیق لسانی نظریے کی بھی نشاندہی کرسکیں۔

3.5 نمونے کے امتحانی سوالات

حسب ذیل سوالات کے جوابات 15 سطروں میں تحریر کیجئے۔

(۱) اردو کے بارے میں مختلف نظریات بیان کیجیے؟

(۲) اردو برج بھاشا سے وجود میں آئی ہے؟ وضاحت کیجیے۔

(۳) اردو کا آغاز پنجاب سے ہوا؟ تفصیل سے ہوا۔

(۴) اردو کے تعلق کے بارے میں تمہیدی نوٹ لکھئے۔

(۵) اردو کے بارے میں موجود مختلف لسانی نظریات کا جائزہ لیجئے؟

(۶) اردو کا برج بھاشا سے تعلق نہ ہونے کے اسباب بیان کیجئے؟

(۷) اردو کو پنجابی سے جوڑ کر کس اہم ادیب نے غلط لسانی نظریہ پیش کیا؟

3.6 فہرہنگ

الفاظ		معنی
قیاسی	:	قیاس سے منسوب، خیالی
عوام	:	(عامل کی جمع) عمل کرنے والے، اثرات
محمول	:	لادا گیا، اٹھایا گیا، گمان کیا گیا
انکشاف	:	کھولنا، کھلنا، نئی بات پیدا کرنا
مربوط	:	بندھا ہوا، وابستہ
مسابقت	:	مقابلہ، آگے بڑھنے کی جدوجہد
باضابطہ	:	اصول کے مطابق
مسلّمہ	:	مانی ہوئی باتیں، تسلیم شدہ امور
وابستگی	:	تعلق، سروکار، وابستہ
مماثلت	:	مشابہت، یکسانیت، ایک جیسا
فقدان	:	گم کرنا، کھونا، نہ ہونا، کمی
شناسائی	:	جان پہچان، واقفیت

پیش رفت : آگے بڑھنا، قدم بڑھانا، ابتدا یا آغاز کرنا

3.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) دکن میں اردو از: نصیرالدین ہاشمی

(۲) تاریخ ادب اردو (جلد اول) از: پروفیسر سیدہ جعفر/ پروفیسر گیان چند جین

(۳) ہندوستانی لسانیات از: ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

(۴) پنجاب میں اردو از: حافظ محمود شیرانی

(۵) نقوش سلیمانی از: مولانا سید سلیمان ندوی

(۶) اردو زبان کی تاریخ از: ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ

(۷) مقدمہ تاریخ زبان اردو از: ڈاکٹر مسعود حسین خاں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکائی ۴ : اردو زبان وادب کا آغاز وارتقاء

اکائی کے اجزاء

4.1 مقاصد

4.2 تمہید

4.3 موضوعات

4.3.1 اردو زبان وادب کا پس منظر

4.3.2 اردو زبان وادب کا آغاز

4.3.3 اردو زبان وادب کا ارتقاء

4.3.4 اردو کے افسانوی ادب کا جائزہ

4.3.5 اردو کے غیر افسانوی ادب کا جائزہ

4.3.6 اردو کی شعری اصناف کا جائزہ

4.4 خلاصہ

4.5 نمونے کے امتحانی سوالات

4.6 فہرہنگ

4.7 شفارش کردہ کتابیں

4.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ اردو زبان وادب کا پس منظر بیان کرسکیں گے۔

☆ اردو زبان وادب کا آغاز اور ارتقاء کس طرح ہوا؟ یہ واضح کرسکیں گے۔

☆ اردو زبان کے افسانوی اور غیر افسانوی ادب کا جائزہ لے سکیں گے۔

4.2 تمہید

اس اکائی میں اردو زبان وادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔جس میں ہم زبان اور اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں کی اجتماعی وتہذیبی، سیاسی معاشرتی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔اردو ادب برعظیم کی زبانوں کے الفاظ، ان کے اصناف اور ان کی تعلیمات کو بھی اردو ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔

اردو ہندوستان کی سب سے خوبصورت زبان ہے اور بلاشبہ آج یہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شمار کی جاتی ہے، اسے کمال عروج پہ پہنچانے میں ہمارے ادباء اور شعرا نے شبانہ روز محنت کی۔ بلاشبہ آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں اردو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان وادب کے ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک عہد کے ادبی سرمایے کا سرسری مطالعہ کیا گیا۔ جس میں اردو نثر کے غیر افسانوی اصناف، مضمون، خودنوشت سوانح نگاری، خطوط، سفرنامے، غزل، نظم، مرثیہ اور مثنوی ان اصناف سخن کا جائزہ لیا گیا ہے۔

4.3 موضوعات

4.3.1 اردو زبان وادب کا پس منظر

اٹھارویں صدی عیسوی کے شروع میں برعظیم میں ایک ایسی عظیم سلطنت قائم تھی جس کی حدود کابل و کشمیر اور کوہ ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر کم وبیش کنیا کماری تک پھیلے ہوئے تھے۔ اسّی سالہ رولنگ زین عالمگیر اس عظیم الشان سلطنت کے شہنشاہ تھا۔ جو برعظیم کی تاریخ میں اس سے پہلے ایسی سلطنت وجود میں نہیں آئی تھی۔ مغلوں نے برعظیم کو نہ صرف سیاسی اتحاد سے روشناس کر کے ایک نیا قومی تصور دیا تھا بلکہ ایک وسیع تہذیبی ہم آہنگی پیداء کر کے سیاسی وتہذیبی ڈھانچا بھی تیار کیا تھا۔ جس میں معاشرے کی تخلیقی وفکری صلاحیتیں بھی پھل پھول سکے۔ سترھوی صدی اس تہذیب کا نقطۂ عروج ہے۔ اور اٹھارویں صدی اس عظیم سلطنت کی داستان ہے۔ وہ نظام خیال جس نے اس عظیم سلطنت کو جنم دیا تھا۔ اب قوت عمل اور آگے بڑھنے پھیلنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ اورنگ زیب کی وافات کے بعد سیاسی حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تھے۔

اٹھارویں کو ایک طرح کی زوال کی صدی بھی کہی جاسکتی ہے جس میں معاشی تباہی نے سارے برعظیم کو اپنی لپیٹ میں لے کر صدیوں پرانے جمے جمائے نظام کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ ہر طرف غم والم کی تصویریں تھی اسی زمانے میں میر دہلی پہنچے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں تصوف کا رنگ ابھار کر اس پورے دور پر چھا گئے یہ دور میر وسوداء نے اس بگڑے ہوئے معاشرے کو سنبھالا۔ طوفان کی زد میں آیا ہوا یہ معاشرہ ایک ایسی منزل کی تلاش میں تھا جہاں اسے سکون میسر آسکے۔ میر نے اپنی تخلیقی قوت سے اس دور کے غم والم کو اپنی شاعری میں سمو کر نہ صرف غمِ دوراں کی ترجمانی کی بلکہ اس پر فتح بھی حاصل کی۔

مرزا محمد رفیع سوداء نے اپنی تخلیقی قوتوں کے ذریعے اردو شاعری میں ایک نیا آہنگ بخشا ان کے ہاں جذبہ واحساس سے زیادہ مضمون آفرینی کا رجحان ملتا ہے۔ اس دور میں فارسی شاعری کی جگہ اردو شاعری نے لے لی۔ شاعری میں نئے نئے اصناف آنے لگے۔ سوداء نے غزلوں کے ساتھ ساتھ قصیدے بھی کہے۔ میر حسن کی تبثیوں میں قصیدہ مثنوی کے سانچے میں ڈھلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے نقشے پر نظر ڈالے تو دریائے نربدا سے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ شمال والے نربدا کے اس پار علاقے کو ہمیشہ دکن کے نام سے موسوم کرتے ہے۔ یہی وہ واسیع وعریض علاقہ ہے جہاں اردو زبان وادب کی قدیم روایت پروان چڑھی اور جہاں کی آب وہوا موسم اور فضاء ایسی راس آئی کہ تقریباً ساڑھے تین سو سال تک سے ذہن انسانی کی آبیاری کرتی رہی۔

قدیم دور کا جائزہ لے تو ہمارے سامنے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ جب دہلی کے بادشاہ علاقائی حکومت کو اپنی قلم رو سلطنت میں شامل کرتے تو وہاں کے افراد بے روزگار حکام اور فوجی افسران ملک کے اندرونی علاقوں میں آنے کی بجائے بیرونی علاقوں میں جانے کو ترجیح دیتے۔اور یہاں کی زبان کو سیکھنے میں مدد حاصل کرتے۔خیال و تجربہ کی روایت یوہی قدم قدم آگے بڑھتی ہے۔اور تخلیق کا سورج دھیرے دھیرے نصف اپنا اوپر آتا ہے۔روایت کا یہ عمل نہ صرف شاعری بلکہ فکر و خیال میں اس طرح ہوتا ہے۔اس دور کے شعراء نے مختلف لسانی تہذیبیں اور تخلیقی عناصر کو یکجا کر کے ایک اکائی میں بدلنے کی کوشش کی اور زبان کو ایک ایسا لہجہ و آہنگ دیا جس میں لفضوں کا کھردرا پن استعمال کر کے پتھر پر گھس کر دور ہو گیا اور مٹھاس آواز میں شامل ہو گئی۔اردو ادب کی تاریخ میں روایت کی درمیانی کڑی ہے جن کے بغیر ادب کے عمل کا ارتقاء رک جاتا ہے۔جب ایک زبان بولی کی سطح سے ادبی سطح پر آتی ہے تو وہ اس غالب زبان سے دل کھول کر استفادہ کرتی ہے۔جس کی جگہ وہ لینے والی ہے۔یہ صورت فارسی زبان کی ہے۔دنیا کی کوئی بھی زبان اتنی اعلیٰ نہیں تھی جو نئی ابھرتی ہوئی زبان سے استفادہ حاصل نہ کرے۔اس دور کی زبان نے عوام و خواص سے اپنا رشتہ قائم رکھا۔گلی کوچوں میں بولی جانے لگی۔جس کی وجہ سے اردو زبان میں ایک ایسی توانائی پیدا ہو گئی۔اردو ادب برعظیم کی سب زبانوں کے ادب سے زیادہ معتبر و مقبول ہو گیا۔اردو کی ادبی و لسانی روایت میں اپنے دور کی روح اس کے مزاج اور تقاضوں کے ساتھ شامل کرنے کا کارنامہ انجام دے کر نئی نسل کے شعراء کے لئے اردو شاعری اردو زبان اور دیگر زبان میں ہونے لگی۔

میر درد نے اردو شاعری کو ایک نئے آہنگ سے آشناء کیا ان کے نزدیک شاعری کوئی ایسا کمال نہیں ہے جسے آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اس پر ناز کرے شاعر کو کمال حاصل کرنے یہ دنیا کمانے کے لئے استعمال کرنا نہیں چاہیئے۔میر نے اردو مثنوی کو ایک نئی صورت دی تھی اثر نے مثنوی خواب و خیال میں غزل کے رنگ و آہنگ کو اس طور پر ملا دیا کہ یہ مثنوی ایک طویل مسلسل غزل بن جاتی ہے۔میر حسن کی مثنوی سحر البیان نے اپنا ایک اہم مقام بنایا ہیں۔ان مثنویوں میں تہذیب و معاشرت اور رسوم و رواج اور لکھنوی ماحول کی دلچسپ تصویریں ملتی ہیں۔ان کے بعد کے آنے والے شعراء نے اردو زبان وادب میں ترقی کی۔اور اپنی شاعرے کے ذریعے سماج میں نیا مقام پیدا کیا۔داستان ناول شاعری اور نئی ترقی کرتے رہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد فارسی اور عربی زبانوں کے عمل دخل سے شمال ہند میں ایک لسانیاتی انقلاب آیا اس ملک کی آریائی زبان خاص طور پر دہلی و پنجاب کی زبانوں کے بننے میں فارسی کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔شورینی اب پھرنش کے علاقہ میں جدید آرایائی بولیوں کے درمیان ایک نئی زبان کی داغ بیل پڑنے لگی۔مسلمان صوفیوں نے ہندوستانی بولیوں میں تصوف و محبت کے پیغام سنائے۔دہلی کے ایک طرف ہریانی تھی تو دوسری طرف کھڑی بولی پچھّم میں پنجابی اور دکن میں برج بھاشا مگر ان کی حیثیت بولی کی تھی اور ان میں کوئی ادب پیدا نہیں ہوا۔کھڑی بولی مدتوں تک صرف بول چال کی زبان بنی رہی اور دلی کے بازاروں میں بولی جاتی تھی مگر اونچے طبقے کے لوگ فارسی میں کام کاج چلاتے تھے۔کھڑی بولی کی پہلی شکل یعنی اردو نے ہر طرف ادبی شکل میں قدم جمانے شروع کر دیئے اردو کے قواعد فارسی سے زیادہ پنجابی و عربانی سے ملتے جھلتے تھے۔

بقول ڈاکٹر عبدالحق مخلوط زبان وہ ہے جو دو یا دو سے زیادہ زبانوں کے آپس میں گھل مل جانے سے ایک نئی صورت اختیار

کر کیا وران کا اطلاق ان زبانوں میں سے مل کر وہ بنی ہے۔ اردو اپنے مزاج کے اعتبار سے بھی سب سے الگ ہے۔ یہ دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے مخصوص سانچے میں ڈھال کر اختیار کرتی ہے۔مثلاً اردو میں اول حرف متحرک ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری زبان کے اس الفاظ کو متحرک اول کر لیتی ہے۔

اردو کا رسم الخط ہندوستان کی تمام زبانوں سے زیادہ جامع اور کشادہ ہے۔جس کے ذریعہ ہر آواز کو ادا کیا جا سکتا ہے۔اور جن میں عربی، فارسی اور ہندی کے حروف موجود ہیں اردو کے الفاظ و تراکیب اور قواعد الفاظ سازی تمام زبانوں سے زیادہ اپنے پھیلا ور کھتے ہیں۔

اردو کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ گزشتہ سات سو سالوں سے عوامی زبان کی حیثیت سے پورے ہندوستان کی مشترک زبان بنتی رہی ہے۔ اسے لشکر میں بازار میں خانقاہوں میں اور دربار میں یکساں مقبولیت حاصل رہی ہے۔اس نے اس ملک کے ہر مذیب اور ہر قوم کے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنائی۔

4.3.2 اردو زبان وادب کا آغاز

دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں اُردو کا شمار ہوتا ہے۔آج یہ برصغیر کی زبانِ رابط عامہ ہے۔اس کا عروج گیارہویں ویں صدی عیسوی کے لگ بھگ شروع ہو چکا تھا۔اُردو، ہند یورپی لسانی خاندان کے ہند ایرانی شاخ کی ایک ہند آریائی زبان ہے اِس کا اِرتقاء جنوبی ایشیاء میں سلطنتِ دہلی کے عہد میں ہوا اور مغلیہ سلطنت کے دوران فارسی، عربی اور ترکی کے اثر سے اس کی ترقّی ہوئی۔اُردو (بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے) دُنیا کی تمام زبانوں میں بیسویں نمبر پر ہے یہ پاکستان کی قومی زبان جبکہ بھارت کی (۲۳) سرکاری زبانوں میں سے ایک ہے۔اُردو کا بعض اوقات ہندی کے ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے اُردو اور ہندی میں بُنیادی فرق یہ ہے کہ اُردو نستعلیق رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور عربی و فارسی الفاظ استعمال کرتی ہے جبکہ ہندی دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور سنسکرت الفاظ کا زیادہ استعمال کرتی ہے کچھ ماہرین لسانیات اُردو اور ہندی کو ایک ہی زبان کی دو معیاری صورتیں گردانتے ہیں تاہم، دوسرے اِن کو معاشی اللسانی تفرّقات کی بنیاد پر الگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندی، اُردو سے نکلی۔اسی طرح اگر اردو اور ہندی زبان کو ایک سمجھا جائے تو یہ دنیا کی چوتھی (۴) بڑی زبان ہے۔

اردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے لشکر۔ دراصل مغلوں کے دور میں کئی علاقوں کی فوجیں آپس میں اپنی زبانوں میں گفتگو کیا کرتی تھیں جن میں ترکی، عربی اور فارسی زبانیں شامل تھیں چونکہ یہ مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے اس لیے اسے لشکری زبان بھی کہا جاتا ہے۔دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ دیگر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمو لینے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ عربی، فارسی اور ہندوستان کی مقامی بولیوں کے میل جول سے پیدا ہوئی ہے۔

اُردو کو سب سے پہلے مغل شہنشاہ اکبر کے زمانے میں متعارف کروایا گیا۔واقعہ کچھ یوں ہے کہ برِصغیر میں ۶۳۵ ریاستیں تھیں جن پر اکبر کی سلطنت قائم تھی۔اتنے بڑے رقبے کی حفاظت کے لیے اسے مضبوط فوج کی ضرورت تھی۔اس لیے اس نے فوج میں نئے سپاہی داخل کرنے کا حکم دیا۔ان ریاستوں سے کئی نوجوان اُمڈ آئے۔سب کے سب الگ الگ زبان کے بولنے والے تھے جس سے

فوجی انتظامیہ کو مشکلات کا سامنا تھا۔ اکبر نے نیا حکم جاری کیا کہ سب میں ایک نئی زبان متعارف کروائی جائے۔ لہذا طے یہ ہوا کہ اردو کو سرکاری رابطہ کی زبان تسلیم کیا جائے۔ اس طرح فوجیوں کو اردو کی تعلیم دی گئی ان فوجیوں کی وجہ سے آگے چل کر اردو برِ صغیر میں پھیلتی چلی گئی۔

اُردو کی ہندی کے ساتھ یکسانیت کی وجہ سے، دونوں زبانوں کے بولنے والے ایک دوسرے کو عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ درحقیقت، ماہرین لسانیات اِن دونوں زبانوں کو ایک ہی زبان کے حصّے سمجھتے ہیں۔ تاہم، یہ معاشی وسیاسی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لوگ جو اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں وہ ہندی کو اپنی مادری زبان تسلیم نہیں کرتے، اور اِسی طرح اِس کے برعکس۔ لینگویج ٹوڈے میں جارج ویبر کے مقالے ''دنیا کی دس بلند زبانیں'' میں چینی زبانوں، انگریزی اور ہسپانوی زبان کے بعد اُردو اور ہندی دُنیا میں سب سے زیادہ بولے جانی والی چوتھی زبان ہے۔ اِسے دُنیا کی کل آبادی کے تقریباً (۵) فیصد افراد بولتے ہیں۔

اردو کا آغاز کب اور کہاں ہوا اس تعلق سے کوئی قطعی فیصلہ آج تک منظر عام پر نہیں آیا تاہم اردو کی ابتداد ہلی اور اس کے قرب وجوار میں ہوئی اور کھڑی بولی اس کی اصل ہے اس استدلال کو ماہرین لسانیات کے بڑے گروہ نے تسلیم کیا ہے۔ اردو کا آغاز ۱۰۰۰ء کے لگ بھگ ہوا۔ ۱۰۰۰ سے ۱۷۰۰ء تک یہ زبان سارے ہندوستان میں رابطے کی زبان کے طور پر ملک گیر شہرت پا چکی تھی۔ اس کے فروغ کی دلچسپ کہانی یوں ہے کہ مسلمان جب یہاں آئے تو وہ کوئی نہ کوئی زبان ضرور بولتے رہے ہوں گے اور جن لوگوں میں آئے وہ بھی اپنی زبان رکھتے ہوں گے۔ آنے والوں میں عرب، ایرانی، افغانی، ترکستانی مغل، وغیرہ مختلف ممالک کے لوگ تھے۔ یہاں جن جن جگہوں پر وہ گئے، وہاں الگ الگ زبانیں ان کو ملیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ جو لوگ باہر سے آئے تھے وہ تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں پر اپنی زبان لاد نہیں سکتے تھے بلکہ اپنی ضرورت کی وجہ سے وہ یہیں کی بولی بولنے پر مجبور تھے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ یہاں کی بولیوں میں اپنے کچھ الفاظ ملا دیں، اس طرح کچھ ملاوٹ ہوئی مگر اصل زبان یہیں کی رہی۔

ابتدا میں مسلمان سندھ کے علاقے میں آئے، یہ آٹھویں صدی عیسوی کی بات ہے۔ انہوں نے سندھ پر اپنا قبضہ جما لیا مگر ادھر ادھر زیادہ پھیل نہ سکے' اس لیے وہاں جو نئی سندھی زبان بن رہی تھی اس پر ان کا کچھ اثر پڑا' مگر کوئی نئی زبان نہیں بن سکی۔ پھر دسویں صدی عیسوی اور گیارھویں صدی عیسوی میں مسلمان بڑی تعداد میں درۂ خیبر کے راستے سے آنے لگے اور سارے پنجاب میں پھیل گئے اور قریب قریب دو سو سال تک ان میں اور وہاں کے بسنے والوں میں میل جول بڑھتا رہا چونکہ ہمارے پاس اس وقت کی زبان کے نمونے موجود نہیں ہیں اس لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ وہاں کی زبان پر ایک دوسرے کے میل جول سے کیا اثر پڑا' اس لیے اسی اثر کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا گمان یہ ہوا کہ جس کو آج ہم اردو زبان کہتے ہیں وہ پنجاب میں پیدا ہوئی' یہ بات کچھ حد تک درست ہے کیونکہ ابتدا میں ہمیں اردو میں پنجابی کا اثر ملتا ہے لیکن صحیح بات یہ کہ جس طرح پنجابی زبان بن رہی تھی اسی طرح دلی کے آس پاس کی بولیوں سے مل کر اردو بھی بن رہی تھی اور جب دلی ہی میں مسلمان حکمرانوں کا دارالسلطنت بن گیا تو ہر بولی کے بولنے والے وہاں آنے لگے۔ قرب وجوار کی سب بولیاں ایک دوسرے سے ملتی جلتی تو تھیں ہی' یہاں اور زیادہ ملاپ ہوا' اس لیے شروع میں کئی اثرات اردو میں دکھائی دیتے ہیں۔ دلی اور اس کے آس پاس جو بولی جاتی تھی اسے کھڑی بولی کہا جاتا ہے' اسی کھڑی بولی نے دھیرے دھیرے ایسا

روپ اختیار کرلیا کہ اس میں ضرورت کے مطابق عربی، فارسی اور ترکی وغیرہ زبانوں کے الفاظ شامل ہوگئے اور فوجوں کے ساتھ ملک میں پھیلنے لگے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ کھڑی بولی کے اندر نکھر کر اردو زبان ایسی زبان بن گئی کہ جس میں چند ہی دنوں میں شعر وادب تخلیق کیا جانے لگا اور کتب کی شکل میں شائع بھی ہونے لگا۔ جب ملک میں فوجیں مختلف علاقوں میں پھیلنے لگیں تو یہی زبان جو ملی جلی زبان تھی، ہر جگہ پھیلنے لگی فوج میں ہر جگہ کے لوگ ہوتے تھے۔ انھیں ایک ساتھ رہنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا تھا اس لیے ان کو وہی زبان استعمال کرنی پڑتی تھی جو زیادہ تر لوگوں کی رابطہ کی زبان تھی۔ فوجوں کی طرح تاجر اور صوفی حضرات نے بھی اس زبان کو استعمال کیا یہ لوگ بھی ملک میں اپنے کاروبار کے لیے الگ الگ مقامات پر جایا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ زبان کا مسئلہ تھا۔ لہذا یہ بھی وہی زبان بولنے لگے جو زیادہ تر لوگ سمجھ سکتے تھے۔ جب ۱۳۲۷ء کو دارلسلطنت دلی سے دولت آبار (اورنگ آباد) منتقل ہوا تو دلی کی ایک بڑی آبادی کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی دولت آباد میں آباد ہوجائیں۔ اس طرح عوام کے ساتھ ان کی یہ ملی جلی زبان بھی دولت آباد میں دکن کے علاقے میں پہنچ گئی اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس زبان کو دلی سے زیادہ' کہ جہاں یہ پیدا ہوئی' دکن میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور اس نے یہاں قلیل مدت میں اس تیزی سے ترقی کی کہ شعر وادب کی زبان ہونے کی صلاحیت اس میں یہیں پیدا ہوئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو زبان کی ابتدا دلی میں ہوئی لیکن اسکے ادب کا آغاز دکن میں ہوا۔

4.3.3 اردو زبان وادب کا ارتقاء

جس طرح کائنات میں حیات کا ارتقاء خود انسان کے ارتقاء کی تاریخ بن جاتا ہے اسی طرح زبان کا ارتقا کسی تہذیب کی تاریخ کا زرین باب بن جاتا ہے انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے کہ انسان کے پاس بولتی زبان ہے اور حیوان کی زبان گنگ ہے۔ یہی بولتی زبان انسانی شعور کی علامت ہے۔ اس کے دکھ درد خوشی، غم، خیال، احساس، جذبہ اور فکر و تجربہ کا اظہار ہے اس سے زندگی میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور زندگی کے بڑھنے پھیلنے اور با قصد و بامعنی ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے زبان معاشرت کے پہلے درجے سے شروع ہوکر انسانی معاشرت کیساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ انسانی زندگی کا پہلا اور بنیادی ادارہ بن جاتی ہے۔ انسانی شعور را سے نکھارتا ہے خیالات وفکر کا نظام اسے روشنی دیتا ہے۔ زندگی کے مختلف عوامل اور تجربے اسے بناتے سنوارتے ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی اعلی اور ادنی چیز یا تصور تجربہ یا احساس زبان کا لباس پہن کر فہم کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہیکہ زبان نہ کوئی فرد ایجاد کرسکتا ہے اور نہ اسے فنا کیا جاسکتا ہے۔ مختلف تہذیبی عوامل رنگا رنگ قدرتی عناصر و مسلسل میل جول اور رسوم، معاشرت گھل مل کر رفتہ رفتہ صدیوں میں جا کر کسی زبان کے خدوخال اجاگر کرتے ہیں۔ اس لیے دنیا کی ہر زبان میں لسانی عمل اور ادب کی تخلیق کے درمیا ن وقت کا ایک طویل فاصلہ ہوتا ہے۔ بولی صدیوں میں جا کر زبان بنتی ہے اپنی شکل بناتی اور خدوخال اجاگر کرتی ہے۔ لسانی ارتقاء کی تاریخ جب ایک ایسی منزل پہنچ جاتی ہے جہاں محسوس کرنے والا انسان سوچنے والا ذہن اور اپنے ماضی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے والے افراد اس زبان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کی سہولت پاتے ہیں۔ تو ادب کی تخلیق اپنا سر نکالتی ہے۔

اردو زبان وادب کے ساتھ بھی دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح یہی عمل ہوا۔ صدیوں یہ زبان سر جھاڑ منہ پھاڑ گلی کوچوں میں آوارہ اور بازار میں پریشان حال مری ماری پھرتی رہی۔ کبھی اقتدار کی قوت نے اسے دبا دیا کبھی اہل نظر نے حقیر جان کر اسے منہ نہ لگایا

اور کبھی تہذیبی دھاروں نے اسے مغلوب کر دیا۔ یہ عوام کی زبان تھی عوام کے پاس رہی مسلمان جب برعظیم پاک و ہند میں داخل ہوئے تو عربی فارسی اور ترکی بولتے آئے اور جب ان کا اقتدار قائم ہوا تو فارسی زبان سرکاری زبان ٹھہری۔

4.3.4 اردو کے افسانوی ادب کا جائزہ

۱۸۰۰ء کے بعد کے نثری ادب میں ہم سب سے پہلے افسانوی ادب پر گفتگو کریں گے۔ افسانوی ادب سے مراد داستان ناول افسانہ ہے۔ اردو میں افسانوی ادب کی شاندار روایت رہی ہے۔ داستان ناول افسانہ اور کو افسانوی ادب اس لیے کہا جاتا ہے۔

(۱) داستان

داستان وہ رومانی کہانی ہے جس میں خیالی واقعات کو مافوق الفطرت عناصر کی مدد سے حسن و عشق کے معاملات کے ساتھ قصہ در قصہ تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے لطافت بیان سے سجا کر مسحور کن انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اردو ادب میں داستانیں ۱۸۰۰ء سے پہلے سے لکھی جا رہی ہیں۔ اردو کی پہلی داستان 'سب رس' ہے جو ملا وجہی کی تصنیف ہے یہ داستان ۱۶۳۵ء میں لکھی گئی۔ سب رس پہلی نثری کتاب ہے۔

(۲) ناول

(۳) افسانہ

(۴) ڈراما

ڈراما ایسی کہانی یا قصہ ہے جو اداکاری کے لیے لکھا جائے یا جسے اداکاری کے ذریعے پیش کیا جائے۔ اردو میں یہ اصطلاح انگریزی زبان کے توسط سے آئی اور انگریزی میں یونانی زبان کے وسیلے سے پہنچی۔ لفظ 'ڈراما' یونانی زبان کے لفظ ڈراماؤ سے مشتق ہے۔ یونانی سے یہ صنف جب انگریزی میں پہنچی تو اسے ڈراما کہا جانے لگا۔ اردو میں انگریزی کی یہ اصطلاح جوں کا توں استعمال ہونے لگی اور آج بھی اسی نام سے مستعمل ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ اردو ادب کے پس منظر پر نظر ڈالی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اردو کے افسانوی ادب کی محض دو اصناف یعنی داستان اور ڈراما کا آغاز ۱۸۵۷ء سے قبل ہوا تھا جبکہ اردو ادب کی غیر افسانوی اصناف میں سے بیش تر اصناف کا آغاز ۱۸۵۷ء سے پہلے ہو چکا تھا۔

4.3.5 اردو کے غیر افسانوی ادب کا جائزہ

داستان، ناول ڈراما اور افسانہ کو چھوڑ کر نثر کی دیگر اصناف کو غیر افسانوی ادب کے احاطہ میں رکھا جا سکتا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اردو میں غیر افسانوی ادب کی جو اصناف موجود تھیں ان میں مضمون نگاری، مکتوب نگاری، خودنوشت سوانح نگاری، سفر نامہ نگاری وغیرہ غیر افسانوی ادب شامل ہیں۔

(۱) مضمون نگاری:

کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کے غیر افسانوی انداز میں تحریری اظہار کو ہم مضمون کہہ سکتے

ہیں۔مضمون لکھنے کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔کسی بھی موضوع پر ایک عنوان کے تحت معلومات یکجا کر کے اس کے ذیلی نکات کی مدد سے مضمون لکھا جاتا ہے۔اس میں کسی موضوع سے متعلق معلومات کو دلچسپ اور جامع مواد کو ترتیب دے کر تسلسل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔مضمون، ادب، سائنس، مذہب، ٹکنالوجی، امراض، علاج، سیست، سماج، معارشرت غرض ہر موضوع پر لکھا جا سکتا ہے۔

(۲) سفرنامہ:

سفرنامہ ایک ایسی تحریر کو کہتے ہیں جس میں مصنف اپنے سفر کے حالات کو دلچسپ انداز میں یوں بیان کرتا ہے کہ قاری بھی اس کا ہم سفر بن جاتا ہے اور سفرنامے کے ختم تک وہ خود کو مصنف کے ہم راہ سمجھنے لگتا ہے۔ اردو میں سفرنامہ لکھنے کا آغاز ۱۸۴۷ء میں ہوا۔اردو کا پہلا سفرنامہ ''عجائبات فرہنگ'' ہے جسے یوسف خاں کمبل پوش نے لکھا ہے۔اس سفرنامے میں انہوں نے انگلستان کے سفر کے دل چسپ حالات تحریر کیے۔اس کے بعد سرسید نے 'مسافران لندن' اور شبلی نعمانی نے 'سفرنامہ مصر و روم' لکھ کر اس روایت کو آگے بڑھایا۔

(۳) مکتوب نگاری:

مکتوب نگاری بھی ایک غیر افسانوی صنف نثر ہے۔خط ایسی تحریر کو کہا جاتا ہے جو دو لوگوں کے درمیان رابطہ کا وسیلہ ہوتی ہے۔اردو میں باقاعدہ مکتوب نگاری کا آغاز مرزا غالب کے خطوط سے ہوتا ہے انہوں نے ۱۸۴۶ء میں اپنے ابتدائی خطوط تحریر کیے۔یہ صنف فارسی ادب سے اردو میں منتقل ہوئی غالب کے عہد میں فارسی میں مکتوب نگاری کا چلن عام تھا۔غالب نے اردو میں مکتوب نگاری کی داغ بیل ڈالی۔اس طرح ۱۸۵۷ء سے پہلے یہ غیر افسانوی صنف وجود میں آئی اور غالب کے اثر سے آگے چل کر حالیؔ، سرسید، آزادؔ وغیرہ نے اس صنف کو آگے بڑھایا۔

(۴) خودنوشت سوانح نگاری

اردو میں خودنوشت سوانح نگاری کی ابتداء بھی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہو چکی تھی۔علامہ ظہیر دہلوی کی تصنیف ''ایام غدر کو اردو میں پہلی خودنوشت کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی انسان اپنے حالات زندگی خود قلم بند کرتا جس میں اس کی زندگی کے حقیقی واقعات، حادثات اور تجربات کا تفصیل سے بیان ہو ایسی تحریر خودنوشت سوانح کہلاتی ہے۔خودنوشت سوانح ایک غیر افسانوی صنف ہے۔خود نوشت سوانح کو کوئی مصنف یا تو کتاب کی شکل میں پیش کرتا ہے یا پھر کسی ایک مضمون میں چند واقعات زندگی کو سمیٹ کر تحریر کرتا ہے۔اپنی زندگی تمام حالات تحریر کرنے کے لیے اسے کتاب شکل کو اپنانا ہوتا ہے۔عام طور پر دانش ورحضرات اپنی خودنوشت لکھتے ہیں۔یہ خودنوشت دلچسپ انداز میں لکھی جاتی ہے اور چونکہ اس میں کسی کے ذاتی تجربات قلم بند ہوتے ہیں اس لیے اس کی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے کہ پڑھنے والا وہ حادثات کو جاننے کی کوشش کرتا ہے جو ہو سکتا ہے کہ اس کی اپنی زندگی میں بھی پیش آئے۔ غرض خودنوشت سوانح ایک ایسا فن ہے جس میں کوئی انسان اپنے قلم سے اپنی ساری حیات کے مختلف حالات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا نقطۂ نظر بھی پیش کرتا ہے۔

4.3.6 اردو ادب کی شعری اصناف

(۱) غزل:

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے بات کرنا یا عورتوں کی باتیں کرنا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اردو غزل کے منظر نامے پر ولی، درد ،میر، آتش، غالب، مومن اور ان کا رنگ سخن نمایاں تھا۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک اردو غزل نے ترقی کی کئی منزلیں طے کر لی تھی اس دور کے مشہور غزل گو شعرا میں سرفہرست 'خدائے سخن' شاعر بے دماغ' میر تقی میر، ہیں۔ میر کے علاوہ اس دور کے دیگر اہم شعرا، امام بخش ناسخ ،حیدر علی آتش،، غالب، مومن اور داغ دہلوی وغیرہ شامل ہیں۔

(۲) نظم

اردو نظم ۱۸۵۷ء سے قبل اپنے عروج کی جانب سفر کر رہی تھی۔ اس کے ۱۸۰۰ سے ۱۸۵۷ء تک کے سفر کا جائزہ لیں تو نظیر اکبر آبادی اردو نظم کا واحد بڑا شاعر تھا۔ جس نے اردو نظم کو خواص کے بجائے عوام میں گلی گلی گا کر مقبولیت دی۔ نظیر اکبر آبادی کو بجا طور پر اردو کا پہلا عوامی شاعر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اردو نظم میں سادگی، اصلیت اور جوش کے امتزاج سے انوکھا پن پیدا کیا اور نظم کو ترقی کے دھارے میں لا کر کھڑا کر دیا۔

(۳) مرثیہ

اردو مرثیہ کا آغاز بھی ۱۸۵۷ سے قبل ہو چکا تھا۔ اس نے انیس اور دبیر کے زمانے ہی میں اپنا نقطہ عروج حاصل کر لیا تھا۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک اردو مرثیہ بھی ترقی کرتا رہا لیکن انیس و دبیر کے بعد اس کے ترقی کی راہیں مسدود ہوتی چلی گئیں۔ اردو مرثیہ کو ہمارے بڑے بڑے شعرا نے اپنایا لیکن اپنا خاص میدان نہیں بنایا۔ اس دور میں جن شعرا کی توجہ سے مرثیہ کو تقویت ملی ان میں میر ببر علی انیس اور مرزا دبیر قابل ذکر ہیں۔ یہی دو شاعر ہیں جنہوں نے مرثیہ کو بام عروج پر پہنچایا۔

(۴) مثنوی

اردو مثنوی نگاری کا آغاز کدم راو پدم راو مثنوی سے ہوتا ہوا ہے۔ اس میں کئی تخلیقات یعنی قطب مشتری، سیف الملک و بدریع الجمال، پھول بن، یوسف زلیخا وغیرہ مثنویاں تحریر کی گئی۔ ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک کی شاعری میں اردو مثنوی کو بھی ایک بلند مقام حاصل تھا۔ میر حسن اور دیا شنکر نسیم نے اس صنف کو بھی درجہ کمال تک ۱۸۵۷ء سے قبل ہی پہنچا دیا تھا۔ میر حسن نے 'مثنوی سحر البیان' لکھ کر اردو مثنوی کو جس بلندی پر پہنچایا کسی اور کی کوشش مثنوی کو اس مقام سے آگے نہیں لے جا سکی۔ یہ مثنوی ۱۷۷۹ء میں ہی تحریر کی جا چکی تھی ۔اس کے جواب میں دیا شنکر نسیم نے 'گلزار نسیم' لکھی جس کا سن تصنیف ۱۸۳۸ء ہے یہ دونوں مثنویاں اس صنف کا عروج کمال تھیں اس کے بعد مثنوی کو کسی شاعر نے اتنی بلندی اور رفعت پر نہیں پہنچایا جتنا کہ ان دو شعرا نے۔ ۱۸۵۷ء قبل کئی مثنویاں لکھی گئیں۔

4.4 خلاصہ

اس اکائی میں اردو زبان وادب کی تعریف، اس کی خصوصیات، اور زبان کا آغاز، اسی کے ساتھ زبان کی خوبیاں کسی زبان

میں شامل نہ ہوں تو وہ زبان ادب کے درجہ میں داخل نہیں ہوسکتی۔ جس طرح شخصیت کو نکھارنے کے لیے بے شمار طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، اسی طرح کسی بھی زبان کے الفاظ کو سجانے اور سنوارنے کا عمل ادب کا وسیلہ بنتا ہے۔ کوئی زبان جب ادب میں داخل ہوتی ہے تو تشبیہات، محاورات، استعارے اور تلمیحات کے سہارے ادب پروان چڑھنے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے ادب تمام تر زندگی کا نمائندہ اور زندگی کی تنقیح کرنے کا علمبردار ہو جاتا ہے۔ ادبی زبان درحقیقت خوبصورت جملوں، فقروں اور زبان کی تمام خوبیوں کی وجہ سے نمایاں ہوتی ہے۔

ہندوستان میں قدم رکھنے والے فوجی، تاجر اور صوفیہ کرام اپنے ساتھ ترکی، عربی اور فارسی زبان لے کر ہندوستان میں داخل ہوئے۔ سنسکرت کے ذریعہ پھیلنے والی زبان پر عربی، فارسی اور ترکی کے اثرات مرتب ہوئے۔ جس کی وجہ سے بے شمار ناموں اور صفات کا استعمال ہندوستان کی سرزمین میں عربی اور فارسی الفاظ کا مرہون منت ہوا۔ اس طرح سنسکرت سے وجود میں آنے والی کھڑی بولی میں عربی اور فارسی کے الفاظ اپنا اثر دکھانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی قواعد کا ڈھانچہ سنسکرت سے استفادہ کرتا ہے جبکہ اردو کے بے شمار نام اور بے شمار خصوصیات کے لیے عربی اور فارسی الفاظ کا چلن عام ہے۔ اردو زبان ایک منفرد زبان ہے۔ جس نے جہاں سنسکرت اور کھڑی بولی کے اثرات کو قبول کیا تو اس کے ساتھ ہی عربی، فارسی اور ترکی کے اثرات کو بھی قبول کیا ہے۔ اسی لئے اردو کو ایک مشترکہ یا ملی جلی زبان کا درجہ حاصل ہے۔

بلاشبہ آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں اردو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان وادب کے ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک عہد کے ادبی سرمایے کا سرسری مطالعہ کیا گیا۔ جس میں اردو نثر کے غیر افسانوی اصناف، مضمون، خودنوشت سوانح نگاری، خطوط، سفرنامے، غزل، نظم، مرثیہ اور مثنوی اور مثنوی نگاروں کی ادبی خدامت کا بھی جائزہ داخل کیا گیا۔

4.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات دس سے پندرہ سے سطروں میں تحریر کیجیے۔

(۱) اوزبان وادب کا پس منظر بیان کیجیے؟

(۲) اردو زبان وادب کا آغاز کس طرح ہوا؟ واضح کیجیے۔

(۳) اردو زبان کا ارتقاء کس طرح ہوا؟

(۴) اردو زبان وادب کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۵) اردو زبان وادب میں شامل افسانوی اور غیر افسانوی ادب پر روشنی ڈالیے؟

(۶) اردو زبان سے متعلق غیر افسانوی ادب کی اہمیت بیان کیجیے؟

4.6 فرہنگ

الفاظ	معنی

درخشاں	روشن، تابناک، چمک دار
تصنع	بناوٹ، دکھاوا، سجاوٹ
قانع	قناعت کرنے والا
نوشت	تحریر، لکھنا
عروج کمال	ترقی کی بلندی

4.7 شفارشات کردہ کتابیں

(۱) تاریخ اردو ادب ڈاکٹر جمیل جالبی

(۲) اردو ادب کی مختصر تاریخ عظیم الحق جنیدی

(۳) تاریخ ادب اردو نورالحسن نقوی

(۴) تاریخ ادب اردو (عہد میر سے ترقی پسند تحریک تک) پروفیسر سیدہ جعفر

☆☆☆

اکائی ۵ : دکن میں اردو زبان کا آغاز وارتقاء

اکائی کے اجزاء

5.1 مقاصد
5.2 تمہید
5.3 موضوعات
5.3.1 دکن میں اردو زبان کا جائزہ
5.3.2 دکن میں اردو ادب کا آغاز
5.3.3 دکن میں اردو کی ابتداء وارتقاء
5.3.4 دکنی اردو
5.3.5 دکن میں صوفیہ اکرام کا حصہ
5.3.6 جنوبی ہند میں صوفیہ اکرام کے کارنامے
5.4 خلاصہ
5.5 نمونے کے امتحانی سوالات
5.6 فہرہنگ
5.7 شفارش کردہ کتابیں

5.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ دکن میں اردو زبان کا جائزہ
☆ دکن میں اردو کا آغاز کس طرح ہوا؟ یہ بتا سکیں گے۔
☆ ددکنی اردو کی اہمیت بیان کرسکیں گے۔
☆ دکن میں اردو کی ترقی میں صوفیاء اکرام کی ادبی خدمات اور کارناموں کا جائزہ لے سکیں گے۔

5.2 تمہید

اس اکائی میں اردو زبان وادب سے متعلق مواد فراہم کیا گیا ہے۔ یہ بتانے کی کوشیش کی گئی ہے کہ ''دکن کی سرزمیں یہ اردو کی نشونماء کا مرکز ہے۔ جسے ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ قدیم دور میں علاقے دکن میں بہمنی خاندان، عادل شاہی دور، اور قطب شاہی

دور کا ہم نے اردو کے فروغ کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ یہاں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ عادل شاہی ،قطب شاہی ،سلطنت کے زیر سایہ اس زبان کو فروغ حاصل ہوا۔ابتدائی زمانے کی تخلیقات زیادہ تر ملفوظات اور مذہبی موضوعات تک محدود نظر آتی ہے۔دکن میں اردو آغاز کس طرح ہوا؟ کن شخصیات نے فروغ میں حصہ لیا۔صوفیائے اکرام کے ذریعہ کس طرح اردو زبان میں تصانیف تحریر کی گئی۔ ان کے ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔

5.3 موضوعات

5.3.1 دکن میں اردو زبان کا جائزہ

دکنی اردو کا ادب سرمایہ اپنے آپ میں بہت اہم مقام رکھتا ہے لیکن اس کی لسانی اہمیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دکنی اردو کی لسلانی خصوصات کچھ تو شمالی ہند کی مقامی لسانی اثرات کا نتیجہ ہیں۔ دکنی زبان پر شمالی زبان کے ساتھ ساتھ مقامی بولیوں کے بھی اثرات پڑے۔زبان آہستہ آہستہ نکھر کر ہمارے سامنے نظر آتی ہے۔شما لی ہند میں اردو زبان کی ابتداء ہوئی لیکن ادبی تحقیقات کے سلسلہ میں اولیت جنوبی ہند کو حاصل ہے۔ تصنیف وتالیف کا با قاعدہ سلسلہ بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد شروع ہوا۔ابتدائی تصانیف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی معراج العاشقین کا نام سرفہرست ہے۔اس کے علاوہ فخر الدین نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم بھی اپنی ادبی شان اور شعری لب ولہجہ کی وجہ سے کافی اہم سمجھی جاتی ہے۔عادل شاہی سلطنت نے تقریباً دو سال تک دکن میں ادب اور تہذیب ومعاشرت کا چراغ جلائے رکھا اور دکن میں ادبی وتخلیقی کارناموں سلسلہ جاری رہا۔اردو میں لسانیاتی تحقیق کا ایک طویل ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ کوئی بھی زبان اس وقت تک اپنی انفرادیت اور خصوصیات باقی نہیں رکھ سکتی جب تک کہ خود اس کے قاری اس کے پاس اس کی انفرا دیت کی تحقیق بند نہ ہو۔اردو زبان کی نشو ونما اور اس کی ترقی کے حوالہ سے بھی متعدد تحقیقات وجود میں آئی۔لسانی تحقیق کا یہ بھی ایک بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اردو کی نشو ونما اور اس کی پیدائش وافزائش کیلئے جن علاقوں کی نشاندہی کی اُن علاقوں کی زبانوں سے اردو کے رشتہ اور ایک دوسرے اسے استفادہ اور ترقی کے میدان میں ربط وتعلق کی بھی نشاندہی کی۔مثلاً کسی نے دکن کو اردو کا مولود منشا قرار دیا تو کسی نے گجرات کی کسی نے دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو بعض اور نظریات نظر آتے ہیں۔آخر میں لسانیاتی تحقیق کا ایک سلسلہ جاری رہا اور اردو کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلسلہ نہ صرف قائم ودائم رہے بلکہ اسے اور بھی ترقی دی جائے۔

5.3.2 دکن میں اردو ادب کا آغاز

دکن میں اردو ادب کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے پہلی کاوش ہمیں حضرت امیر خسرو کے کلام میں ملتی ہے۔وہ امیر بھی تھے، غریب بھی، بادشاہ بھی تھے، فقیر بھی۔انہوں نے فارسی میں کئی کتابیں لکھیں لیکن ان کی بہت سی پہیلیاں، دوہے اور گیت میں اردو کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں۔اس وقت تک اردو کی کوئی شکل نہیں بنی تھی جس سے ہم اس کو پہچان لیں، اس لیے ان کی بولی کبھی کھڑی بولی اور کبھی برج بھاشا سے مل جاتی ہے تاہم اردو والے امیر خسرو کو اپنا پہلا شاعر مانتے ہیں اور اسی طرح ہندی والے پہلا کوی۔جس کے مطالعے سے ہمیں تیرہویں اور چودھویں صدی میں مختلف زبان وادب کی تاریخ سے معلوم ہوسکتا ہیں۔

غرض اس طرح اردو دلی اور نوائے دہلی کے آس پاس پیدا ہوئی اور ملک کے دیگر علاقوں میں پھیلنے لگیں۔ ابتداء میں ان زبانوں کو زبانِ ہند، ہندی، ہندوی اور دہلوی رہا بعد میں زیادہ تر ہندی کے نام سے جانا اور پہنچانا لگا۔ جس وقت علاقے دکن اور گجرات میں اس کا بول بالا ہوا تو وہاں دکنی اور گجراتی کہی جانے لگی۔ اس وقت دہلی والے اس زبان کو ریختہ کہتے تھے اور گری پڑی زبان گردانتے تھے کبھی کبھی اسے زبان اردو معلیٰ بھی کہا کرتے تھے۔

علاقئے دکن میں اردو ادب کی سب سے پہلی تصنیف معراج العاشقین کے نام سے ملتی ہے اس سلسلے میں جو پہلی کتاب ملتی ہے وہ ایک مشہور بزرگ سید گیسودراز کی لکھی ہوئی کہی جاتی ہے اس کتاب کا نام' معراج العاشقین' ہے۔ اس میں مذہب کے بارے میں گہری معلومات ملتی ہیں۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ یہ کتاب کب لکھی گئی مگر سید گیسودراز کے وفات کی تاریخ ۱۴۲۱ء ہے' اس یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ۱۴۲۱ء سے پہلے لکھی گئی ہے۔ اس طرح گیسودراز کے ماننے والوں نے بھی اسی زبان میں لکھنا شروع کیا اور اردو ادب میں مذہبی کتابوں سے لکھنے کا آغاز ہوا۔ دکن میں سولہویں صدی عیسوی میں اردو زبان کا چاروں طرف چرچہ ہو گیا یہاں کے امیر، فقیر، بادشاہ ،رئیس سب اسی زبان کے عاشق ہو گئے۔ ۱۷ویں صدی میں یہاں کے سینکڑوں شعرا و ادبا اور ان کی تصانیف ملتی ہیں۔ پہلے پہل گولکنڈہ کے بادشاہ محمد قلی قطب شاہ جس نے حیدرآباد شہر بسایا' کا کلام وجود میں آیا۔ اس کے بعد اس کے درباری شاعر ملا وجہی کی کا کلام جو نثری اور شعری دونوں شکلوں میں ہے' ملتا ہے۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق وجہی کی 'سب رس' نامی داستان ملتی ہے جس کا سن تصنیف ۱۶۳۵ء ہے۔ یہ اردو ادب کی پہلی داستان ہے۔ اسی لیے وجہی کو اردو کا پہلا داستان نگار کہا جاسکتا ہے۔ قلی قطب شاہ خود بھی باکمال شاعر تھا اس کا دیوان اردو کا پہلا دیوان ہے۔ اسی لیے قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کہا جاتا ہے۔ غرض وجہی، ابن نشاطی، اور غواصی وغیرہ شاعروں نے اردو ادب کے خزانے میں گراں قدر اضافہ کیا اس طرح اردو ادب کا آغاز دکن میں ہوا اور ۱۸۰۰ء تک اردو ادب کا زبردست خزانہ یہاں کی سرزمین پر وجود میں آچکا تھا۔ اسی سرزمین کے سب سے زیادہ مشہور شاعر ولی اورنگ آبادی جسے ولی دکنی بھی کہا جاتا ہے' نے ۱۷۰۰ء میں دلی کا سفر کیا اور وہاں کی محفلوں میں اپنا کلام اردو میں سنایا تو شمالی ہند کے سبھی شعرا نے اس کا کلام بہت پسند کیا اور وہ تعجب کیا کرتے تھے کہ اس زبان میں' جسے ہم ریختہ (گری پڑی ابان) سمجھتے تھے۔ ولی کے بعد شمال میں اردو شاعری وہ ترقی کی کہ وہاں کے شعرا نے فارسی شاعری کو ترک کیا اور اردو ہی میں شعر کہنے لگے۔ کہا جاسکتا ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری ولی کی مرہون منت ہے۔ غرض اس شمال میں پیدا ہونے والی اس زبان نے دکن (جنوبی ہند) میں شاندار ترقی کی اور اس کے ادب کا آغاز دکن میں ہوا۔

5.3.3 دکن میں اردو کی ابتداء وارتقاء

اردو زبان شمالی ہند میں دہلی اور نواح دہلی میں پیدا ہوئی۔ لیکن اس نے اپنے ارتقائی مراحل شمالی ہند کے ساتھ ساتھ دکن میں بھی طے کئے شمالی ہند سے دکن میں آنے والی یہ نئی زبان دکن کے نام سے مشہور ہوئی۔ ساتھ ہی دکن کے علاوہ صوبئے گجرات، مراٹھواڑا، بیدر، کے علاوہ حیدرآباد سے لے کر دلی اور نوائے دلی کا علاقہ شامل ہوتا ہے۔ آگے ہم تفصیل سے معلومات حاصل کریں گے۔

(۱) عبدالقادر سروری لکھتے ہیں :۔

''دکنی قدیم اردو کا وہ روپ ہے جس کی ادبی نشو ونما ابتدائی زمانے میں دکن اور گجرات میں چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے سترہویں صد کے اواخر میں ہوئی ۔ دکن کا سارا سرمایہ الفاظ ہند آریائی ماخذوں پر مبنی ہے۔''

(۲) جمیل جالبی نے لکھا :۔

''یہ زبان اس وقت تک ہندی کہلاتی رہی جب تک کہ یہ دکن میں خود دکنی کا نام سے مشہور ہوگئی۔اس طرح صوفیاء کرام کی آمد اور علاء الدین کی فتوحات سے دکن میں اردو کی نشونما میں مدد ملی۔شمالی ہند سے آنے والے صوفیاء اور بزرگانِ دین کی تبلیغی سرگرمیوں سے اردو کی نشو ونما کے لیے فضا تیار ہوچکی تھی۔ان بزرگا دین نے فارسی وعربی کے بجائے ایسی زبان کو اپنا وسیلہ اظہار بنایا جو عوام میں آسانی سے سبھی سمجھی جاسکتی تھی۔اس طرح اردو زبان دکن میں ایک مشترکہ زبان کی حیثیت سے متعارف ہوئی۔

کوئی فاتح اچانک حملہ نہیں کرتا بلکہ حملہ کے لیے برسوں پہلے درست ہموار کیا جاتا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ یہ کام سیاح تجارت پیشہ لوگ پہلے انجام دیتے ہیں۔سلطان محمد تغلق کے زمانے میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے۔جنھوں نے عرصہ دُراز سے یہاں پر بود باش اختیار کرلی تھی۔محمد بن قاسم نے محمود غزنوی تک تقریباً تین سو سال ہوتے ہیں۔محمود غزنوی سے بابر کی فتح تک کا رنامہ تقریباً پانچ سو سال کو محیط ہے۔اور اس عرصے میں زندگی کی ہر سطح پر اتنی تبدیلیاں ہوچکی ہوتی ہیں۔کہ بابر کے آنے تک زندگی اپنے پورے پھیلاؤ اور وسعتوں کے ساتھ ایک نئے رنگ اور نئے روپ میں ڈھل جاتی ہے۔اس عرصے میں یہاں کے تہذیبی سماجی اور لسانی ڈھانچے کا الگ پن اتنا نمایاں ہوگیا تھا کہ بابر نے دیکھا یہاں کے لوگوں کے فنون وہنر موسیقی ومصوری طرز تعمیر لباس اور پوشاکیں نہ صرف ان سے مختلف ہیں بلکہ ان کی راہ ورسم سب ہندوستانی طریق کی ہیں۔غرض ان عوامل کے ساتھ گیا۔

(۳) پروفیسر محمود شیرانی:۔

''مسلمان اقوام نے ہندوستان میں اپنے لیے ایک زبان مخصوص کرلی ہے۔اور جوں جوں ان کے مقبوضات فتوحات کے ذریعے سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں۔یہ زبان بھی ان کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں پھیلتی جاتی ہے۔''

5.3.4 دکنی اردو

عام طور پر جنوبی ہندوستان میں بولی جانے والی زبان کو دکنی اردو کہا جاتا ہے۔دکنی اردو بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ

ہے۔متعلقہ علاقوں میں ایک خاص فرق نمایاں نظر آتا ہے۔لیکن بعد میں کچھ تاریخی لسانی وجوہ سے اردو زبان میں ضم ہوگئی اور آج اس کی حیثیت اردو کی ایک بولی کی رہ گئی۔اس بولی کا ادبی ورثہ کافی جاندار ہے۔شمالی ہند میں جب اردو صرف بول چال کی زبان تھی اس زمانے میں دکنی اردو میں بہترین ادبی تصانیف ملتی ہیں۔میراں جی شمس العشائق اور امین الدین سے لے کر وجہی اور ابن نشاطی تک اردو شاعروں اور نثر نگاروں کی ایک بڑی تعداد ملتی ہے جنھوں نے اپنے تخلیقی صلاحیتوں سے دکنی اردو کے ادبی سرمائے میں اضافہ کیا۔

اردو کی دوسری اہم بولی پنجابی اردو کہی جاتی ہے۔اسے پنجابی اردو اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پنجاب کے علاقہ میں بولی جاتی ہے۔اس بولی پر علاقائی اثرات بہت گہرے نظر آتے ہیں۔چنانچہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی اردو پنجابی زبان کے اثرات بڑے گہرے ہیں جس سے اردو کی لسانی ساخت بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔جیسے اردو کی سماجی بولی سمجھا جاتا ہے۔یہ بولی دہلی کے ان علاقوں میں بولی جاتی ہے جسے کبھی شاجہاں آباد کہا جاتا تھا۔

5.3.5 دکن میں صوفیہ کرام کا حصہ

اردو زبان وادب کو نشو ونما سے متعلق ماہرین لسانیات کے فراہم کردہ مواد اردو زبان کی اولین تخلیقات اور بزرگان دین کے ملفوظات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے۔کہ اردو زبان کے فروغ اور اس کے نشو ونما میں صوفیائے کرام نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔یہ بے لوث اور مخلص لوگ بندگان خدا تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے بیتاب تھے وہ لوگوں کے دروازوں ہی پر نہیں ان کے دلوں پر ستک دینا چاہتے تھے۔ظاہر ہے اس کیلیے ضروری تھا کہ وہ اپنا پیغام عوام تک خود ان کی زبان میں پہنچائیں۔چنانچہ صوفیائے کرام نے خواص کی ادبی زبان کے بجائے عوام میں رائج زبان کو اپنی پیغام رسائی کا وسیلہ اظہار بنایا۔اور انھیں کی بولی میں تعلیم وتلقین فرمائی۔ صوفیائے کرام جس خطے میں جاتے وہاں کی زبان سیکھ کر اس خطہ کے لوگوں تک انھیں کی زبان میں اپنا پیغام پہنچاتے اس طرح انھوں نے عوامی زبان کے دائرے کو وسیع کیا اور اپنی ضرورت کے مطابق نئے نئے الفاظ استعمال کر کے اس زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں بابل ذکر اضافہ کیا۔صوفیاء سے پہلے اہل علم نومود عوامی زبان اردو میں لکھا کرتے۔عالمانہ تصانیف اسی عوام اور بازاری زبان میں پیش کرتے تھے۔صوفیائے کرام کی کوششوں سے اس زبان کا دائرہ وسیع ہوا۔ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی اس زبان کا استعمال کیا۔ شعروسخن مذہب وتعلیم اور علم وحکمت کر اغراض کے لیے اس زبان کا استعمال ہوا۔مولوی عبدالحق نے اپنے مقالہ ''اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصہ میں ان بزرگان دین کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔جنھوں نے اردو زبان کے دائرہ کو وسیع کرنے میں خدمات انجام دیں۔فریدالدین شکر گنج ہی کے عہد سے اِن کے بزرگان دین کی سرگرمیوں کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔جن کی کوششوں سے اردو زبا ن کی تشکیل وترویج میں مدد ملی۔اردو زبان اور اردو نظم نثر کو بنیاد فراہم کرنے والے اور اس کی اولین روایتوں کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرنے والے صوفیائے کرام کی فہرست بہت طویل ہے۔ان میں بعض کی خدمات کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

(۱) امیر خسرو: ساتویں صدی ہجری کے اس بزرگ نے اردو زبان کو ادبی شان عطا کرنے میں خدمات انجام دیں۔امیر خسرو ہی نے باقاعدہ طور پر فارسی وہندی کی آمیزش سے اردو کا اولین روپ پیش کیا۔

(۲) شیخ شرف الدین یحیی منیری : شیخ صاحب یورپی اور ہندی زبانوں کے شاعر تھے۔ان کی تخلیقات جھار پھونک کے منتر ملتے

ہیں۔ جو اسی ہندی زبان میں ہیں۔جس نے آگے چل کر اردو کی شکل اختیار کی۔خواجہ بندہ نواز گیسو دراز معراج العاشقین ، ہدایت نامہ،تلاوت لوجون کی نثری تحریر کا رنگ ہے۔

(۳) صدرالدین: حضرت بدرالدین چشتی کے مرید وخلیفہ بہمنی دور کے اس بزرگ کے تصوف سے متعلق کتاب 'کسب محویت' کافی مشہور ہے۔اس کتاب کے علاوہ انھوں نے کئی رسالے بھی لکھے ہیں۔

(۴) محمد اکبر حسینی: آپ حضرت گیسو دراز کے صاحبزادے تھے۔اپنے عہد کے ایک مشہور عالم فاضل بزرگ تھے۔آپ نے نظم ونثر دونو ں میں اپنے آثار چھوڑے ہیں۔

(۵) شاہ میران جی شمس العشاق: آپ کی روحانی فیوض لاکھوں بندگان خدا فیضیاب ہوئے آپ نے سلوک ومعرفت پر اردو زبان میں متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں ان کی تصانیف بشارت الذکر۔'خوشنامہ'، 'شرح مرغوب القلوب' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان بزرگان دین کے بعد سب سے اہم نام ملا وجہی کا ہے انھوں نے اپنی مثنوی 'قطب مشتری' مشہور تمثیلی داستان 'سب رس' اور تصوف سے متعلق کلمۃ الحقائق پیش کر کے اردو زبان کے دائرے کو وسیع کرنے اور اس میں ادبی شان پیدا کی ہے۔انکے علاوہ قطب عالم،حضرت شاہ عالم،حضرت سید محمد جونپوری،عبدالقدوس گنگوہی،شیخ شاہ ہاشم حسنی علوی کی طرف منسوب نظم ونثر کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ قدیم اردو ودکنی کے نام سے جانی پہنچانی جاتی ہے۔ آخر میں یہ کہنا ہوگا کہ ان بزرگان دین کے پیش نظر دکن کے علاقے میں اردو زبان کی ترقی ہوئی۔انھوں نے پیغام پہنچانے کے لیے مقامی زبان کو ہی اپنایا اور دھیرے دھیرے اپنی کوشیشوں کاوش سے ادبی تصانیف بھی مقامی زبان میں تحریر کیے۔ صوفیائے کرام کی خدمات اردو ادب کی ترقی کی ایک نئی رادی اور نئے راستوں اور نئی منزل کی طرف گامزن کیا۔

5.3.6 جنوبی ہند میں صوفیا کرام کے کارنامے

جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کی آمد پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے دور میں ہوئی ، پھر اس کے بعد جب مسلمان فاتحوں نے جنوب کے علاقوں پر اقتدار سنبھالا تو رفتہ رفتہ صوفیاء کرام اور بزرگان دین کے قافلے دکن کا رخ کرنے لگے۔ یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ سب سے پہلے جنوبی ہند پر حملہ کرنے والے بادشاہ کی حیثیت سے علاء الدین خلجی کا نام لیا جاتا ہے۔جس نے دیوگری کے راجا رام دیو کو 1294ء میں شکست دی' جس کے بعد تغلق خاندان اور بہمنی خاندان نے ان علاقوں پر حکمرانی کی۔جنوب کے ابتدائی علاقے جیسے ترچناپلی میں سب سے پہلے صوفی حضرت نطہر ولی کے پہلے قدم اور دولت آباد پڑے۔ابتدائی صوفیاء کرام میں حضرت سید مومن عارف باللہ اور حضرت جلال الدین گنج رواںؒ سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے علاء الدین خلجی کے حملے سے پہلے دکن میں اسلامی تعلیمات کو پھیلانے کے لئے ملی جلی زبان استعمال کیا' اور ایک نئی زبان جسے دکن میں دکنی کہا گیا' اُس کی ابتداء میں سازگار ماحول تیار کیا۔ 1327ء میں جب محمد تغلق نے دیوگری کو پایہ تخت بنا کر دولت آباد نام رکھا تو بیشتر دہلی کے باشندوں کو دولت آباد کے سفر کے لئے سہولتیں فراہم کیں۔ پایہ تخت کی تبدیلی سے قبل حضرت منتجب الدین زرزری زربخشؒ،حضرت

امیر حسن اعلی سجزیؒ (مرید وخلیفہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ، پیر بھائی امیر خسروؒ) کی دولت آباد میں آمد کا ثبوت ملتا ہے، جب پایہ تخت کی تبدیلی عمل میں آئی تو دہلی سے چودہ سو پالکیوں میں سوار ہوکر صوفیہء کرام نے دکن کا رخ کیا۔ ایسے صوفیوں میں چند اہم نام حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت سید یوسف شاہ راجو قتالؒ (والد بزرگوار حضرت بندہ نوازؒ)، حضرت محمد حسین شیرازیؒ ،حضرت زین الدین داؤد شیرازیؒ ہیں اور ایسے ہی بے شمار صوفیہء کرام کے نام موجود ہیں جنہوں نے دولت آباد کا رخ کیا اور اس سرزمین میں خانقاہی نظام کو فروغ دے کر دین واسلام کی تبلیغ کے علاوہ انسانوں کی تربیت کے لئے عمدہ مواقع فراہم کئے۔ صوفیہء کرام اور بزرگان دین جنہوں نے جنوبی ہند کا رخ کیا تھا' ان کا سلسلہ عرب، ترکستان اور ایران سے تھا جن کی مادری زبانیں عربی ، فارسی اور ترکی ہوا کرتی تھیں۔ ان صوفیہء کرام نے دولت آباد کی سرزمین میں مقامی باشندوں کو قرآنی تعلیمات اور اسلامی عقائد سے آگاہی دینے کے لئے اپنی مادری زبانوں کے الفاظ میں مقامی زبانوں کے الفاظ کو گھلا ملا کر بولنا شروع کیا اور ایک نئی زبان جو بیرونی اور مقامی زبانوں کے اختلاط سے پیدا ہوئی تھی' اسے دکن کے علاقہ میں ''دکنی'' کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس طرح جنوبی ہند کے صوفیہء کرام کی بے شمار کتابیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ انہوں نے جنوبی ہند کے علاقے میں مقامی باشندوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ ایک نئی زبان کے آغاز کا ماحول تیار کیا۔ غرض صوفیہء کرام کی جنوبی ہند میں انجام دی جانے والی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

5.4 خلاصہ

ہندوستان کی سرزمین میں مسلمانوں کی بادشاہت کے آغاز یعنی محمد بن قاسم کے حملے ۷۱۱ء کے بعد محمود غزنوی کے ہندوستان پر 17 حملوں اور محمد غوری کے اقتدار کے دور میں ہندوستان جیسا اہم ملک مسلمان شہنشاہیت سے آگاہ ہوا۔ مسلمانوں کی مذہب دوستی' رعایا پروری اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری کی ایسی مثالیں قائم ہوتی ہیں کہ جن کی مثالیں نہ ماضی میں تھیں اور نہ مستقبل میں نظر آتی ہیں۔ مسلمانوں نے بادشاہت کے ذریعے ملک میں اضافے پر توجہ نہیں دی بلکہ انسان اور انسانیت کے قدر ومنزلت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ عرب اور ترک نسلوں نے ابتدائی طور پر سندھ' لاہور اور پھر پنجاب سے سفر کرتے ہوئے دہلی کے مختلف علاقوں تک حکمرانی کو فروغ دیا۔ ہر بادشاہ کے دور میں اقتدار کی اہمیت مسلمہ تھی، لیکن بادشاہ کی رعایا پروری کے سارے ملک میں چرچے تھے۔ سبکتگین اور الپتگین کے اقتدار کے بعد خاندان غلامان' خلجی خاندان، سید خاندان' تغلق خاندان اور لودھی خاندان کے بعد ہندوستان پر مغل خاندان کی حکمرانی ہوئی۔ ان بادشاہوں نے کروفر کے ساتھ زندگی گذاری۔ لیکن شاہی سرپرستی میں عوام کی فلاح و بہبود کے بے مثال نمونے چھوڑے۔ ان کے دور میں غریبوں کے مفت کھانے کے انتظام کے لیے لنگر خانے شروع کئے گئے۔ عوام سے محمد بن قاسم کی رواداری مسلمہ رہی جب محمود غزنوی نے 17 حملے کئے تو ان حملوں کا مقصد پجاریوں اور اعلیٰ ذات کے طبقوں کی ظلم وزیادتی سے نجات دلانا تھا۔ محمد غوری اور خاندان غلامان کی انصاف پروری کے چرچے اس قدر شہرت حاصل کر گئے کہ مسلمانوں کی سچائی اور بہادری کے علاوہ حق گوئی نے مقامی باشندوں کو شاہانہ سرپرستی کا تابعدار

بنا دیا۔ مغلیہ دور میں ہمایوں کی جانب سے ہندو رسم راکھی منانے اور پھر اکبر اعظم کے دور میں راجپوت رسموں کے رواج سے مقامی باشندوں میں مسلمانوں کے بارے میں اعتماد پیدا ہوا۔ مقامی باشندوں کی شاہانہ سرپرستی کا سلسلہ مسلمانوں کی آمد سے لے کر مغلیہ سلطنت تک ہی جاری نہیں رہا، بلکہ اس شاہانہ سرپرستی کی روایت کو شمالی ہند کے باشندوں میں اس انداز سے فروغ حاصل ہوا کہ مقامی باشندے بے خوف وخطر مسلمانوں سے ربط وتعلق قائم کر کے کر اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادانہ زندگی گذارتے تھے۔ جب جنوب میں محمد تغلق کے بعد بہمنی سلطنت کا آغاز ہوا تو بہمنی بادشاہوں نے مقامی باشندوں کی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ جس کے بعد دکن میں پانچ نئی مسلم سلطنتوں کا قیام عمل میں آیا تو گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت اور بیجاپور میں عادل شاہی سلطنت سے تعلق رکھنے والے بادشاہ تو ترکی نسل سے تعلق رکھنے والے تھے، لیکن انہوں نے دکن میں پھیلنے والی نئی زبان میں شاعری کی اور نئی زبان کے شاعروں کو ملک الشعراء کا خطاب دیا شاہانہ سرپرستی کا ثبوت دیا۔ اس کے علاوہ قطب شاہی بادشاہوں نے اپنے دربار کے فارسی اور عربی شاعروں کے بجائے نئی زبان میں شاعری کو پروان چڑھانے والے شعراء جیسے ملا وجہی اور غواصی کو ''ملک الشعراء'' کا خطاب دیا' جبکہ عادل شاہی سلطنت کے بادشاہ نے بھی محمد نصرت نصرتی کو ملک الشعراء کے خطاب سے نواز کر یہ ثابت کر دیا کہ دکن میں شاہانہ سرپرستی کی وجہ سے ایک نئی زبان کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ مغل شہنشاہ شہاب الدین شاہ جہاں کے دربار کی زبان ''اردوئے معلیٰ کہلائی۔

غرض شمالی ہند اور جنوبی ہند میں شاہانہ سرپرستی کی وجہ سے اردو کو فروغ حاصل ہوا۔ جس کی وجہ سے اردو کا لب ولہجہ عوامی سے زیادہ شاہی ہونے کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ ملک میں بسنے والے عوام نے بھی اردو زبان کو اظہار کا ذریعہ بنا کر بول چال کی زبان کا موقف دے دیا ہے اس طرح اردو زبان اپنے ادب کی شروعات سے پہلے سارے ہندوستان کی عوامی زبان رہی۔ اور اب بھی سارے ملک میں سمجھی جانے والی زبان ہے ہندی کے شدھ اور پیچیدہ الفاظ عوام کے اظہار سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ اردو کے سادہ اور عام الفاظ استعمال کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں نے رواداری کی بے مثال روایت قائم کی جس کے نتیجہ میں ہر مذہب' ذات' فرقے اور رنگ ونسل کے انسان نے ملی جلی زبان کو قبول کیا۔ زبان کو شاہانہ سرپرستی کا اعزاز حاصل ہے، اور عوام نے شاہوں کی زبان کو عوامی نمائندگی کی زبان کا موقف دے کر اردو کو اپنا لیا، چنانچہ آج بھی غیر اردو داں طبقے میں اردو زبان کے الفاظ اور ان کے شاہانہ مزاج کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔

5.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں دیجیے۔

(۱) دکن میں اردو کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ واضح کیجیے۔

(۲) دکن میں صوفیاء اکرام کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

(۳) دکن میں اردو زبان وادب کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۴) اردو زبان ترقی میں عادل شاہی خاندان کے ادبی خدمات تحریر کیجیے؟

(۵) دکن میں داخل ہوئے صوفیاء اکرام کے نام بتا کر ان کی تصانیف کا جائزہ لیجیے؟

(۶) دکن میں اردو کی ترقی پر سیر حاصل تبصرہ کیجیے؟

(۷) قطب شاہی دور کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

5.6 فہرہنگ

الفاظ	معنی
زوال :	تنزل۔کمی۔اُتار
وسعت :	چوڑائی۔پھیلاؤ۔
مکروہات:	(مکروہ کی جمع)۔نفرت انگیز چیزیں
مصاحب :	ساتھی۔ہم نشین
مقرب :	قریب کیا گیا
مشیر :	مشورہ دینے والا۔صلاح کار
مخرب :	خراب کیا گیا
فضیلت :	بڑائی۔برتری
جائزہ :	جانچ پڑتال۔شمار
نجات :	رہائی۔گناہ معاف ہونا۔
آگاہی :	واقفیت۔علم
اہتمام :	انتظام۔بندوبست

5.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) دکن میں اردو از: نصیرالدین ہاشمی
(۲) تاریخ ادب اردو (جلداول) از: پروفیسر سیدہ جعفر/ پروفیسر گیان چند جین
(۳) اردو کی ترقی میں صوفیہ کرام کا کام از: بابائے اردو مولوی عبدالحق
(۴) آبِ کوثر، موج کوثر، رودِ کوثر از: شیخ محمد اکرام
(۵) نقوش سلیمانی از: مولانا سید سلیمان ندوی
(۶) تاریخ ادب اردو (جلداول، دوم) از: پروفیسر سیدہ جعفر، پروفیسر گیان چند جین
(۷) علی گڑھ تاریخ ادب اردو از: پروفیسر آل احمد سرور
(۸) دکن میں اردو شاعری (ولی سے پہلے) از: ڈاکٹر محمد جمال شریف
(۹) دکن کے بہمنی سلاطین از: پروفیسر ہارون خاں شروانی

☆☆☆

اکائی ٦ : فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات

اکائی کے اجزاء

6.1 مقاصد
6.2 تمہید
6.3 موضوعات
6.3.1 فورٹ ولیم کالج کے قیام کے اغراض ومقاصد
6.3.2 جان گل کرسٹ کی ادبی خدمات
6.3.3 فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی ادبی خدمات
6.4 خلاصہ
6.5 نمونے کے امتحانی سوالات
6.6 فہرہنگ
6.7 شفارش کردہ کتابیں

6.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ فورٹ ولیم کالج کے قیام اور ادبی خدمات سے واقف کرسکیں گے۔
☆ جان گلرکسٹ کی ادب خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔
☆ فورٹ ولیم کے مصنفین کی ادبی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔
☆ فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات کا جائزہ لے سکیں گے۔

6.2 تمہید

فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں انسیویں صدی کا ایک اہم ادارہ تھا۔جس کی بنیاد انگریز جنرل مارکونیس ولزیا نے ٹیپو سلطان کی شکست اور انگریزوں کی فیصلہ کن فتح (۴مئی ۱۷۹۹ء) کی پہلی سال گرہ (۴مئی ۱۸۰۰ء) کے موقع رکھی تھی۔اس کالج کا بنیادی مقصد انگریز ملازمین کو ہندوستانی زبانیں (اردو) سیکھانا تھا۔انگریز چاہتے تھے کہ اردو زبان موثر انداز سے ہندوستان میں ان کی مقبولیت ہو۔چنانچہ انھوں نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں قائم کیا۔اس کالج میں بہت سے علوم وفنون کی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

6.3 موضوعات

6.3.1 فورٹ ولیم کالج کے قیام کے اغراض ومقاصد

فورٹ ولیم کالج کی ابتداء جس زمانے میں ہوئی وہ ہندوستان کی تاریخ کا پر آشوب دور تھا۔صوبائی بغاوتیں شہنشاہیت کو نقصان پہنچا رہی تھی اور غیر ملکی طاقتیں اس دور کے سیاسی انتشار سے پھر پور فائدہ حاصل کرنے کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ بنگال، پلاسی کی جنگ ۱۷۵۷ء کے نتیجہ میں فرنگی تلسط میں آ گئے تھے۔ایسٹ انڈیا کمپنی جو صرف تجارتی مقصد سے قائم کی گئی تھی اب آہستہ آہستہ سیاست کے میدان میں بھی قدم جمانے لگی تھی۔بکسر کی لڑائی کے بعد انگریز کا تسلط نہ صرف مشرقی اضلاع پر مستحکم ہوا بلکہ مغربی اور جنوبی ہند تک پہنچ چکا تھا۔اس تسلط کو برقرار رکھنے، مزید سیاسی اقتدار حاصل کرنے اور حکومت کے کاروبار چلانے کے لیے انگریز افسروں کا دیسی زبانوں سے واقف ہونا ضروری تھا۔ فارسی زبان کا عروج ختم ہو چکا تھا۔اردو ایک عوامی زبان کی حیثیت سے ملک کے اکثر و بیشتر حصوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔عوام میں اردو کا چرچا ہونے لگا تو کمپنی بہادر کے حکام نے بھی اردو سیکھنے کی طرف سنجیدگی سے توجہ کی اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ۱۸۰۰ء میں قائم کیا گیا۔ اس کالج کا مقصد اردو کی بقاء یا ترویج واشاعت نہ تھا بلکہ کمپنی کے انگریز ملازمین کو اردو سیکھانے کا انتظام کرنا تھا۔اس وقت ملک کی ابھرتی ہوئی زبان اردو ہی تھی۔ جو ہندوستان کے **طول وعرض** نہ صرف بولی اور سمجھی جاتی تھی بلک اس میں تصنیف وتالیف کا کام بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ارباب اقتدار اس زبان کو سیکھنے اور سمجھنے کے لیے مجبور تھے۔فورٹ ولیم کالج کا قیام چونکہ سرکاری طور پر منظّم کاوش تھی اس لیے اس کا اردو نثر کی ترقی ورفتار پر خوشگوار اثر پڑا۔

فورٹ ولیم کالج میں جو کتابیں تیار ہوئیں وہ ایسے لوگوں کے لیے تھیں جو اردو زبان سیکھنا چاہتے تھے۔اسی لیے وہ کتابیں سادہ اور سلیس زبان میں تیار کی گئیں۔اردو قوائد کی کتابیں اور لغت بھی تیار کی گئیں۔اردو میں جو نثری کتابیں تھیں وہ مشکل زبان میں تھیں۔ اور تمام تر مذہبی تھیں۔تاریخ اور دوسرے علمی موضوعات پر اردو میں کتابیں نہیں تھیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ علمی وادبی کاموں کے لیے ایک مدت پر فارسی ہی استعمال کی جاتی تھی اس وجہ سے فورٹ ولیم کالج میں سادہ اور سلیس اردو زبان میں کتابیں لکھوائی گئیں۔

6.3.2 ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی ادبی خدمات

گل کرسٹ کا پورا نام جان باتھ وک گل کرسٹ (John Barth Wick Gilchrist) تھا۔ وہ اسکاٹ لینڈ کے باشندے تھے۔۱۷۸۳ء میں اسٹ انڈیا کمپنی میں ڈاکٹر کی حیثیت سے ہندوستان آئے۔ ہندوستان میں دہلی اور لکھنوء میں رہ کر انھوں نے اردو اور فارسی سیکھی اور کمپنی کو بتایا کہ اب فارسی کی بجائے اردو کو دفتری زبان بنانا زیادہ مفید ہوگا۔بعد ان کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے ۱۸۳۲ء اردو کو سرکاری زبان قرار دی گئی۔فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے گلکرسٹ نو وارید انگریز عہدے داروں کو فارسی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔جب ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں قائم ہوا تو ان کی خدمات کو دیکھتے ہوئے انھیں کالج کا صدر اور پروفیسر بنایا گیا۔گلکرسٹ ۱۸۰۴ء تک کالج کی خدمات انجام دیتے رہے۔صحت کی خرابی کی وجہ سے پیشن لے کر اپنے وطن لوٹ گئے۔ ۱۸۱۸ء میں اسٹ انڈیاء کمپنی نے ہندوستان میں اورینٹل انسٹی ٹیوٹ قائم کیا تو وہ اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر تک اس ادارے سے وابستہ

رہے۔۱۸۱۴ء میں ۸۸سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

گل کرسٹ نے صرف چار سال تک ہی فورٹ ولیم کالج میں خدمات انجام دے۔لیکن ان چار سالوں میں انھوں نے فورٹ ولیم کالج میں تمام ہندوستان سے قابل اور لائق مارین زبان کو جمع کیا اور ان سے تصنیف وتالیف کا کام اس طرح لیا کہ مختلف موضوعات پر اردو میں نثری کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہو گیا۔اس کے علاوہ اردو سیکھنے کے لیے بنیادی کتابوں کا جو ذخیرہ انھوں یکجاء کیا وہ نا قابل فراموش کارنامہ ہے۔ان کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) انگریزی ہندوستانی لغت : لغت میں بتائی گئی کہ لفظ کس زبان کا ہے۔ یہ لغت ۱۷۹۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

(۲) ہندوستانی علم السان : یہ اردو لسانیات کی کتاب ہے۔

(۳) اردو صرف نو : اردو قوائد کی یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے نصاب میں شام تھی۔

(۴) اورینٹل لینگوسٹ (مشرقی زبان دانی) : اس کتاب میں اردو زبان سیکھنے کا آسان طریقہ پش کیا گیا ہے۔

(۵) اجنبیوں کے لیے رہنمائے اردو : انگریزوں کو اردو سیکھانے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی۔

(۶) بیاض ہندی : فورٹ ولیم کالج کے معلفین کے کارناموں کا انتخاب وغیرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

ڈاکٹر گل کرسٹ کے انگلستان لوٹنے کے بعد کپتان تامس روبک اردو کے پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے۔ان کا تعلق فوج سے تھا۔انھوں نے کالج کے اہل قلم ک تصنیف وتالیف کی طرح راغب ہوئے اور کئی کتابیں شائع کروائیں۔انھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔'' لغت جہاز رانی'' کے نام سے لغت لکھی۔اس کے ساتھ ایک مختصر اردو قوائد بھی شامل کی۔

6.3.3 فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کی ادبی خدمات

(۱) میر امن دہلوی :۔

میر امن کے نام سے متعلق بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔بعض تذکر نگاروں نے میر امان لکھا ہے دہلی کے رہنے والے تھے بعض جگہ لکھا ہے کہ میر امان نام اور امن تخلص لکھتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تخلص لطف تھا۔ اس کے علاوہ میر امن کی دوسری کتاب گنج خوبی کے خطی نسخہ میں میر امن نے اپنا نام میر امن لطف لکھا ہے۔اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لطف تخلص استعمال کرتے تھے۔

میر امن جن کا نام بعض تذکرہ نگاروں نے میر امان بھی لکھا ہے دہلی کے رہنے والے تھے اور لطف تخلص کرتے تھے۔ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں۔ایک اندازے کے مطابق ان کی ولادت اٹھارویں صدی میں محمد شاہ کے عہد میں ہوئی ہوگی۔بعض محققین نے ۱۷۵۰ء کے آس پاس کی ان کی ولادت تسلیم کی ہے۔میر امن نے اپنی دو کتابوں باغ و بہار اور گنج خوبی میں خود کو دلی والا کہا ہے۔اس سے یہ بات تو یقینی ہے کہ میر امن کا تعلق دلی سے تھا۔ان کا تعلق فصیل کے باہر کے ایک محلّہ سید واڑہ سے ہوسکتا ہے جہاں کے میر حسن تھے۔میر امن کا خاندان کئی پشتوں سے دلی میں آباد تھا۔میر امن کی تعلیم سے متعلق بھی معلومات نہیں ملتی کہ ان کی تعلیم کہاں اور کتنی ہوئی لیکن انھیں فارسی زبان پر دسترس تھی کیونکہ یہ فارسی کی کتاب اخلاق محسینی کا اردو ترجمہ ہے۔ میر امن نے

لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے حملوں سے گھر بار تباہ ہوا اور سورج مل جاٹ نے جاگیریں ضبط کرلیں۔ وہ دوسرے افراد کی طرح دلی سے ہجرت کرنے کے لئے مجبور ہوگئے۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ میر امن ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے حملے سے ہونے والی تباہی کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ عظیم آباد آ گئے۔ ایک عرصے تک وہاں قیام کیا لیکن وہاں کے اجرات بھی انھیں راس نہیں آئے تو انھوں نے کلکتہ کی راہ لی۔ کلکتہ میں کچھ دنوں تک وہ بے روزگار رہے لیکن جلد ہی انھیں نواب دلاور نے اپنے چھوٹے بھائی بطور ملازمت لگا دیا۔ اس دوران منشی میر بہادر علی نے ان کی ملاقات جان گلکرسٹ سے کرائی جو فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل تھے۔ مئی ۱۸۰۱ء میں گلکرسٹ نے انھیں کالج کے شعبہء ہندوستانی میں چالیس روپیہ ماہانہ تنخواہ پر بحیثیت منشی مقرر کردیا۔ میر امن پانچ سال تک اس عہدے پر رہ کر فرائض انجام دیتے رہے۔ اور ۱۸۰۶ء میں سبکدوش ہوگئے۔ بہر حال فورٹ ولیم کالج کی پانچ سالہ ملازمت کے دوران صرف دو کتابیں ہی تحریر کیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں۔

1) باغ و بہار
2) گنج خوبی

باغ و بہار قصہ چار درویش اور گنج خوبی اخلاقی محسینی کا اردو ترجمہ ہے۔ اردو ادب میں میر امن کی شہرت واہمیت باغ و بہار کی وجہ سے ہے۔ یہ ان کا ایسا ادبی کارنامہ ہے جس نے انھیں اردو ادب میں زندہ جاوید بنا دیا۔ باغ و بہار کے علاوہ ان کی دوسری تصنیف گنج خوبی ہے جو ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب اخلاق محسنیٰ کا اردو ترجمہ ہے۔ جو اردو ادب کی خدمات انجام دینے والے ادارے فورٹ ولیم کالج کی مشہور تصانیفات میں اہم مقام رکھتی ہے۔

(۲) سید حیدر بخش حیدری

میر امن دہلوی کے بعد فورٹ ولیم کالج کے جن مصنفین کو اہمیت اور مقبولیت حاصل ہوئی ان میں حیدر بخش حیدری کا نام بھی شام ہے۔ سید حیدر بخش حیدری دہلی کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کی زندگی کا بیشتر وقت بنارس میں گذرا۔ فورٹ ولیم کالج میں انھوں نے سب سے زیادہ کتابیں لکھیں اور کئی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ ۱۸۲۳ء میں بنارس میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

1) قصہ مہر و ماہ
2) قصہ لیلا مجنوں
3) طوطا کہانی
4) آرائش محفل
5) ہفت پیکر
6) تاریخ نادری

7) گل مغفرت
8) گلزار دانش
9) گلشن ہند

(۳) میر شیر علی افسوس

میر شیر علی افسوس فورٹ ولیم کالج کے مشہور و معروف مصنیفن میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے دادا محمد شاہ کے عہد میں عراق سے ہندوستان آئے۔ میر شیر علی افسوس دہلی میں ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئے۔میر شیر علی افسوس فورٹ ولیم کالج میں تقرری سے قبل دہلی، پٹنہ اور لکھنوء کی محفلوں میں خوب نام پیدا کر چکے تھے۔انھوں نے میر،سودا، مصحفی اور انشاء کا زمانہ دیکھا تھا اور ان کے ساتھ مشاعروں میں بھی شریک تھے۔ ایک نواب کی شفارش پر فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے۔۱۸۰۵ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ فورٹ ولیم میں انھوں نے گلکرسٹ کی فرمائش پر فارسی کی دو کتابوں کا ترجمہ کیا۔

1) باغ اردو
2) آرائش محفل

(۴) میر علی لطف

میر زا علی نام تھا اور لطف تخلص تھا۔میر زا علی دہلی کے رہنے والے تھے۔دہلی کی بربادی نے دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔اس کے بعد وہ لکھنوء آئے اس کے بعد پٹنہ گئے اور آخر میں وہ کلکتہ پہنچے گئے۔گلکرسٹ نے ان سے اردو شاعروں کا ایک تذکرہ لکھنے کی فرمائش کی تھی جس پر انھوں نے تذکرہ گلشن ہند لکھا جو فارسی تذکرہ گلزار ابراھیم کا اردو ترجمہ ہے۔انھوں نے شعراء کے حالات زندگی ہی بیان نہیں کیے بلکہ اس دور کے ماحول اور پس منظر کو بھی عمدہ طریقے سے پیش کیا۔انھوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھیں جو اس زمانے کے تذکروں میں عام طور پر نہیں ملتی تھیں۔

(۵) میر بہادر حسینی

میر بہادر علی حسینی کے حالات پردئے خفاء میں ہے۔ یہ میر امن سے پہلے فورٹ ولیم کالج سے وابستہ ہوگئے تھے اور میر امن نے انہی کے ذریعے فورٹ ولیم کالج تک رسائی حاصل کی تھی۔حسینی نے فورٹ ولیم کالج کے لیے چار کتابیں لکھی۔اس کے علاوہ میر بہادر علی حسینی نے فورٹ ولیم کالج میں رہ کر مندرجہ ذیل کتابیں تحریر کیں۔

1) نثر بے نظیر
2) اخلاق ہند
3) تاریخ آسام
4) رسالئے گل کرسٹ

(۶) مظہر علی خان ولا

میر علی خان نام اور ولا تخلص تھا۔ممنون، میر زا جان طپیش اور مصحفی سے مشورے سخن کیا کرتے تھے۔۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم

کالج سے وابستہ ہوئے۔ میر علی خان نے لگ بھگ ساتھ کتابوں کا ترجمہ کیا۔لیکن چند کتابیں ہی شائع ہوسکیں۔جومندرجہ ذیل ہیں۔

1) مادھونل کام کنڈلا
2) ترجمہ کریما
3) ہفت گلشن
4) اخلاقی ہندی
5) بیتال پچیسی
6) تاریخ شیر شاہی
7) جہانگیر نامہ

(۷) میر کاظم علی جوان

میر کاظم علی نام اور جوان تخلص تھا۔فورٹ ولیم کالج کے مشہور منشیوں میں سے تھے۔ دہلی کی تباہی کے بعد مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے لکھنوء پہنچے۔لکھنوء کے ریزیڑنڈ کرنل اسکاٹ نے ان کی علمی قابلیت سے متاثر ہوکر فورٹ ولیم کالج کے لیے شفارش کی۔ کالج سے وابستہ ہونے کے بعد کلکتہ ہی کے ہوکر رہ گئے اور ساری عمر تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔ان کی تین کتابیں ملتی ہیں۔

1) شکنتلا ناٹک
2) بارہ ماسہ یا دستور ہند
3) تاریخ فرشتہ

(۸) نہال چند لاہوری

نہال چند لاہوری فورٹ ولیم کالج کے ایک مشہور منشی ہوگذرے۔ان کے آباءواجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔دہلی کی تباہی کے بعد لاہور میں سکونت اختیار کی۔ایک انگریز کپتان کے وسیلے سے ڈاکٹر گل کرسٹ کے یہاں پہنچے اور فورٹ ولیم کالج کے شعبہء تالیف وترجمے میں ملازمت مل گئی۔ان کا صرف ایک ہی کارنامہ ''مذہب عشق'' ملتا ہے۔تاج الملک اور گل بکاولی کے فارسی قصے کو نہال چند لاہوری نے اردو میں منتقل کیا ہے۔ اس قصے کو اس زمانے میں بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ س کی مقبولیت کو دیکھ کر پنڈت دیا شنکر نسیم نے ''گلزار نسیم'' کے نام سے اس کو نظم کیا۔

6.4 خلاصہ

فورٹ ولیم کالج اردو ادب میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔جس نے اردو کی وہ ادبی خدمات انجام دیں جسے اردو داں طبقہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔فورٹ ولیم کالج سن ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں قائم کیا گیا۔جس کا مقصد انگریزوں کو اردو سیکھانا تھا۔ فورٹ ولیم کا کا پہلا ءصدر جان گل کراسٹ کو بنایا گیا۔انھوں نے پورے ہندوستان سے بڑے بڑا دباؤ کو جمع کر کہ دیگر زبانوں کی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کروائے۔ساتھ ہی جان گل کرسٹ نے خود دو تین کتابیں اور لغت تصنیف کی۔ جان گل کرسٹ نے میر امن دہلوی، حیدر بخش حیدری، مرزاءلطف علی، نہال چند لاہوری، میر شیر علی افسوس اور دیگر ادباؤں نے بڑی محنت ولگن سے دیگر زبانوں کے ترجمے کے گئے۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو نثر کو فروغ حاصل ہوا۔فورٹ ولیم کالج کا قیام اردو کی ترقی کی پہلی منزل ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں میر امن، کاظم علی جواں۔سرور نے داستانیں لکھی لیکن فورٹ ولیم کالج کے باہر بھی اردو داستانوں کو فروغ حاصل ہوا۔فورٹ ولیم کالج میں رہ کر کی ادباؤں نے اپنی تصانیف تحریریں کیں۔اسی فورٹ ولیم میں لکھی گئی میر امن دہلوی کی کتاب باغ و بہار ایک ایسی تصنیف ہے جو اردو ادب کا شاہکار مانی جاتی ہے۔جس کا سہرا فورٹ ولیم کالج کے سر جاتا ہے۔ساتھ ہی آج بھی دور جدید میں باغ و بہار اس کتاب سے فورٹ ولیم کی پہچان واضح طور پر دیکھائی دیتی ہے۔

6.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

(۱) فورٹ ولیم کالج کے مقاصد بیان کیجیے؟

(۲) فورٹ ولیم کی تصانیف کا جائزہ لیجیے؟

(۳) فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے نام بتا کر ان کی اہمیت بیان کیجیے؟

(۴) مصنفین کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

(۵) فورٹ ولیم کالج کا اردو ادب میں مقام متعین کیجیے؟

(۶) فورٹ ولیم کا قیام کس طرح عمل میں آیا؟

(۷) فورٹ ولیم میں لکھی گئی داستان باغ و بہار کا مقام متعین کیجیے؟

(۸) فورٹ ولیم کی مشہور تصنیفات کے نام بتائے؟

(۹) کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کیوں قائم کی گئی؟

(۱۲) مصنفین کے نام بتا کر ان کے ادبی کارناموں کا جائزہ لیجیے؟

6.6 فرہنگ

الفاظ		معنی
مافوق الفطرت	:	فطرت اور اصل سے اعلیٰ
مسجع	:	وہ عبادت جس میں قافیہ کا اہتمام ہو
دسترس	:	پہنچ، رسائی
سرگزشت	:	ماجرا، واردات
اخلاق محسنی	:	عام انسانوں پر احسان کرنے کا عمل
سائل	:	فقیر
انشاء	:	مضمون

صحیفہ : کتاب
کوچہ : گلی
فی البدیہہ : فوری
حیض بیض : دوران
مفصل : تفصیل سے
تصانیفات : کتابیں
مصنف : کتاب تحریر کرنے والا

6.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) اردو کی نثری داستانیں : گیان چند جین
(۲) باغ و بہار : رشید حسین خاں
(۳) میر امن سے عبدالحق تک : سعد عبداللہ
(۴) فن داستان گوئی : کلیم الدین احمد

☆☆☆

اکائی ۷ : دلی کالج کی ادبی خدمات

اکائی کے اجزاء

7.1 مقاصد
7.2 تمہید
7.3 موضوعات
7.3.1 دلی کالج کے قیام پس منظر
7.3.2 دلی کالج کے قیام کے اغراض ومقاصد
7.3.3 دلی کالج کی تصانیف،اساتذہ طلباء
7.4 خلاصہ
7.5 نمونے کے امتحانی سوالات
7.6 فہرہنگ
7.7 شفارش کردہ کتابیں

7.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ دہلی کالج کے قیام کا پس منظر بیان کرسکیں گے۔

☆ دہلی کالج کے قیام کے اغراض ومقاصد بیان کرسکیں گے۔

☆ دلی کالج کی تصانیف کی اشاعت اور ترجمہ نگاری کے کام سے متعلق معلومات فراہم کرسکیں گے۔

7.2 تمہید

اس اکائی میں دلی کالج کی اردو زبان وادب سے متعلق معلومات فراہم کی گئی۔ساتھ ہی دلی کالج کے قیام،خدمات اور اس کے پس منظر کا احاطہ کیا گیا ہے۔دلی کالج نے اردو زبان کو ترقی دینے اور ایک زندہ علمی زبان کی حیثیت سے اس کے امکانات کو وسعت بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔جسے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔گرچہ دلی کالج ادارے کے قیام کے عوامل سیاسی تھے اور ان کا مقصد انگریزی سامراج کو استحکام بخشنا تھا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ان دونوں اداروں نے اردو زبان کے خزانے میں دیگر علوم کا لاکر کھڑا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔دلی کالج اردو زبان وادب کے میدان میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

7.3 موضوعات

7.3.1 دلی کالج کے قیام پس منظر

دلی کالج کی ابتداء شروعات میں غازی الدین خاں کے مدرسہ سے کی گئی تھی ۔ اس کے بانی سلطنت آصیفہ ،حیدر آباد نظام الملک آصف جاہ اول کے والد میر شباب الدین خاں فیروز جنگ ثانی گجرات کے صوبہ دار تھے۔انھون نے اپنے حیات میں بیرونی دلی اپنے لئے ایک مقبرہ اور ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔غازی الدین خاں کا انتقال ۱۷۱۶ میں احمد آباد میں ہوا۔ان کی تدفین اسی مقبرہ میں عمل میں آئی۔لیکن ان کی وفات کے کوئی پون صدی بعد ۱۷۹۲ میں اس عمارت میں ایک مدرسہ کا قیام عمل میں آیا۔جو غازی الدین خاں کا مدرسہ کہلاتا تھا۔اس مدرسہ میں دینیات ،عربی اور فارسی کی تعلیم کا انتظام تھا۔یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریز جو تاجر کی حیثیت سے ہندوستان آئے تھے۔اب حکومت کا معاملات اور عوام کے سیاہ وسفید میں بھی داخل ہو چکے تھے۔انھیں ہندوستانیوں پر اپنی گرفت اور مضبوط کرنے کی بھی فکر تھی۔اور وہاں عیسائیت کی تبلیغ بھی چاہتے تھے۔لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظام نے نہایت محتاط رویہ اختیار کر رکھا تھا۔بلکہ ایک طرح کمپنی کے نظام میں اختلاف رائے بھی پایا جاتا تھا۔چنانچہ ۱۷۹۳ میں ولیم ولبرفورس کی یہ تجویز مسترد کر دی گئی کہ ہندوستان ایسے افراد روانہ کیے جائیں جو مدرس اور مشریوں کے فرائض انجام دے سکیں۔بعدازاں قحط بنگال کے زمانے میں چارلس گرانٹ ہندوستان میں نظام حکومت انگریزی میں چلانے کے علاوہ یہاں کے مدارس میں انگریزی ذریعہ تعلیم کی تجویز کی جس کو ایسی قبولیت حاصل نہیں ہوسکی۔البتہ ۱۷۹۷ میں اس بات کی اجازت دی گئی کہ عیسائی مبلغین ہندوستان جاکر تبلیغ کا کام انجام دے سکتے ہیں۔انگریزی کی تعلیم کا سوال تو یہاں نہیں اٹھا لیکن فارسی ،سنسکرت اور عربی کے قدیم نسخوں کو محفوظ کرنے اور ان زبانوں میں تعلیم کی گنجائش پر زور دیا گیا ۱۸۱۳ میں اس نوع کی تجاویز اور بھرپور طریقے کے ساتھ سامنے آئیں کہ ہندوستان میں علم ادب کے فروغ کے لئے کام کیے جائیں، ہندوستان کے اہل علم اصحاب کی ہمت افزائی کی جائے اور سماجی اور سائنسی علوم کی یہاں ترویج واشاعت ہو۔یہ تجاویز کامیاب ہو جائیں لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی آپسی چپقلیش ان کو روبہ عمل لانے نہیں دیا۔

دلی کالج کی شروعات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ کو مجلس تعلیمات عامہ کے قیام کو عمل میں لایا گیا جس نے انگلستان کو رپورٹ روانہ کرتے ہوئے ہندوستان کی خستہ تعلیمی حالت کو اجاگر کیا۔ٹیلر نے بتایا کہ شہر میں اول تو تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں اور جیسا بھی ہے پیسے کی کمی کے باعث اس کے حالت بری ہے۔ہر چند کے اہل علم اور علما و اساتذہ موجود ہیں لیکن مالیہ کے عدم فراہمی کے باعث ان کے خدمات سے استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔یوں ایک طرف نئی نسل تعلیم سے بے بہرہ ہو رہی ہے تو علماء اور اساتذہ بیروزگاری کا شکار ہیں۔ٹیلر نے اتفاق ہی کہیے کہ اپنی رپورٹ میں غازی الدین حیدر خاں کے مدرسہ کا حوالہ دے دیا کہ اس مدرسے کے حالت انتہائی خراب ہے۔عمارت بھی خستہ ہے اور معیار تعلیم بھی پست۔اس مرحلہ پر حالات نے یہ دلچسپ اور سازگار موڑ لیا کہ ٹیلر کی خدمات کو انگلستان سے منظوری حاصل ہوگئی بلکہ غازی الدین خاں کے مدرسے ہی میں کالج کھولنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔یہ ۱۸۲۵ کی بات ہے کہ غازی الدین خاں کا مدرسہ دلی کالج میں تبدیل ہو گیا۔ایسٹ انڈیا کمپنی کی سفارش پر پارلیمنٹ نے

ہندوستان میں تعلیم کے لئے ایک لاکھ روپے کے منظوری بھی دے دی۔انگریزی شعبہ کے قیام کی وجہ سے بہت واویلا مچا یہاں تک کہ انتظامیہ کو برائے نام ہی سہی انگریزی جماعت مشرقی شعبہ سے علیحدہ کر دینی پڑی کیونکہ دونوں کے پرنسپل بھی ایک تھے۔اور کالج بھی ایک اور کالج کی کمیٹی بھی ایک۔ برسبیل تذکرہ اس کا ذکر ہو جائے کہ انگریزی شعبے کی مخالفت کے باوجود انگریزی پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔۱۸۳۱ء میں یہ تعداد (۳۰۰) تک پہنچ گئی تھی۔

دلی کالج کے مغربی اور مشرقی شعبوں میں ہمیشہ ہی رسی کشی رہی تھی۔مشرقی شعبے کے نزدیک علم وادب سے مراد مشرقی علوم اور ادبیات تھے۔وہ انگریزی سے بغض رکھتے تھے۔ان کا کہنا تھا مغربی علوم کو مشرقی زبانوں میں ترجمہ کر کے پیش کیا جانا چاہیئے۔جبکہ مغربی شعبہ کا موقف تھا کہ مغربی علوم کو مشرقی زبانوں میں پیش کیا نہیں جا سکتا۔انھیں انگریزی میں ہی پڑھا جانا چاہیئے۔۱۸۳۴ء میں جب لارڈ میکالے ہندوستان آئے اور مجلس تعلیمات عامہ کے صدر نشین ہوئے تو مغربی شعبہ کا پلہ بھاری ہو گیا، میکالے نے اپنی سفارشات میں عربی اور سنسکرت کی کتابوں کی اشاعت مسدود کر دینے، مدرسہ علایہ کلکتہ اور سنسکرت کالج کا بند کر دینے دلی کالج کے طلبہ کو وظائف کی اجرائی روک دینے اور رقم سے دیگر شہروں میں انگریزی پڑھائے جانے والے مدارس کھول دینے پر زور دیا۔۱۸۷۶ء کی رپورٹ میں صراحت کے ساتھ درج ہیں کہ عربی فارسی کے علاوہ سائنس کی جماعتیں بھی تھیں۔اور سائنس کے مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے۔اور ریاضی، فلسفہ اور تاریخ وغیرہ جیسے مضامین میں شعبہ انگریزی کے طلبہ کے مقابلہ میں اردو طلبہ کا معیار اونچا تھا جس کی اس وقت کے ڈپٹی کلکٹر اور رکن لوکل کمیٹی دلی کالج اور سیکریٹری کونسل آف ایجوکیشن بنگال نے بھی ستائش کی۔۴۰۔۱۸۳۹ء کی رپورٹ سے بھی یہ ظاہر ہے کہ ''اردو کے جماعتوں کی ترقی قابل تعریف ہے''۔

جب اردو شعبے کو علیحدہ قایم کرنے کی تجویز رکھی گئی تو اس وقت کے لفٹننٹ گورنر نے ان تجویز کے پھر پور ستائش کی اور تمام طلبہ اردو میں درس پانے لگے۔۱۸۵۶ تک یہی صورت حال رہی لیکن ۱۸۵۷ کی جنگ آزدی کے بعد سب کچھ لوٹ گیا۔کتب خانہ تباہ ہو گیا، کئی اساتذہ مارے گئے یا ادھر ادھر ہو گئے آخر کار کالج بند ہو گیا۔۱۸۶۴ میں اس کی تقدیر جاگی۔حالات بتدریج سنبھلتے گئے لیکن نئے موڑ سامنے آئے۔اردو زبان میں تالیف اور ترجمے پر کم توجہ دی جانے لگی۔حتی کہ اپریل ۱۸۷۷ میں اس کالج نے دم توڑ دیا اور اس کو لوہور کالج میں ضم کر دیا گیا اور دلی کالج کے روایت تاریخ کا ایک حصہ بن گئی۔

7.3.2 دلی کالج کے اغراض ومقاصد

دلی کالج کا قیام ۱۸۲۵ء میں جوزف ہنری ٹیلر کی ایما پر عمل میں آیا۔ یہ کالج مدرسہ غازی الدین خاں کی عمارت میں قائم ہوا جہاں پہلے عربی وفارسی اور دینیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔انگریز جنھوں نے تجارت کی غرض سے سرزمین ہندوستان پر قدم رکھا تھا۔ دھیرے دھیرے حکومت کے معاملات میں بھی دخل دینا شروع کر دیا تھا۔وہ ہندوستان اپنے قدم مضبوطی کے ساتھ جمانا چاہتے تھے اور یہاں عیسائی مذہب کی تبلیغ بھی کرنا چاہتے تھے۔ اس پس منظر میں دلی کالج کا آغاز ہوا۔اس کالج کا مقصد جدید علوم کو عام کرنا اور انگریزی زبان کو بنیادی اہمیت دینا، دلی کالج میں مشرقی اور مغربی دونوں علوم کے شعبے قائم کیے گئے تھے لارڈ آگلینڈ گورنر جنرل بن کر آئے تو انھوں نے سب سے پہلے تعلیمی پالیسی اختیار کی کہ مشرقی اور مغربی علوم کے دونوں گروہ مطمین ہو گئے۔مشرقی زبانوں کی تر

قی وتوسیع اور مفید کتابوں کی اشاعت کی پرزور حمایت کی۔یہی وجہ ہے کہ مختلف رکاوٹوں کے باوجود کالج میں مختلف مغربی علوم جیسے علم ہئیت ،فلسفہ ریاضی وغیرہ اردو میں پڑھائے جاتے تھے۔

فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد نووارد انگریزوں کی ذہنی تربیت اور انھیں ہندوستانی زبان اور علوم ومعاشرت سے اگاہ کروانا تھا انگریزی علوم کی تربیت گاہ دلی کالج تھا۔جہاں ہندوستانی عوام کو جدید علوم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔اور ان کے ذہنوں سے قدیم وراسخ عقائد وروایات کو زائل کر کے انھیں جدید رجحانات سے اگاہ وآشنا بنایا جاتا تھا۔اس طرح فورٹ ولیم کالج اور دلی کالج کا دائرہ کار الگ الگ تھے۔فورٹ ولیم کالج کے ذریعہ مختلف کتابوں کے ترجمے کرائے گئے جن سے اردو زبان وادب کو فروغ ملتا رہا۔ اس کے بعد دلی کالج کے ذریعہ مقامی ترجمہ نگار سوسائٹی [vernacular translation society] نے ریاضی ،سائنس ،نجوم،منطق اور فلسفے کی کتابوں کے ترجمے شائع کیے۔

7.3.3 دلی کالج میں تصانیف،اساتذہ اور طلباء کا حصہ

دلی کالج کی بنیاد رکھنے کے بعد سب سے پہلے دیگر علوم کی کتابیں رکھنے کے لیے کتب خانہ تیار کیا گیا۔جس میں کتابیں کو رکھنے،اور تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ شائع کرنے کا کام کیا گیا۔ان دنوں میں دیسی زبانوں کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کی مخالفت کرنے والوں کا بڑا اعتراض تھا جس سے دلی کالج والوں کا معیار پست ہوتا تھا۔ چنانچہ اس وقت سامنا کرنے کے لئے دلی کالج میں ایک خصوصی سرکاری تعلیمی کمیٹی قائم کی گئی۔جس کے ذریعے سوسائٹی نے بہت سی مفید کتابیں اردو میں شائع کیں تھیں۔لیکن یہ ابتدائی نوعیت کی تھیں۔ان دنوں میں بھی کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے بعد لارڈ اکلینڈ نے تعلیمی کتابوں کے ترجمے کی طرف توجہ کی۔ انھوں نے ۱۸۴۱ میں ایک ذیلی کمیٹی بھی قائم کی تھی۔جس کا دائرہ کار صرف ونحو پر کتابوں کی تیاری بھی اور اس کی کے لئے اہل اشخاص کا انتخاب قرار پایا۔اس بارے میں سب نے اتفاق کیا کہ درسی کتابیں پہلے انگریزی میں لکھوائی جائیں اور پھر ان کا ترجمہ اردو اور دیگر زبانوں میں ہو۔ضروری کتابوں کی ایک فہرست بھی تیار کی گئی جن میں دیسی زبان کی ریڈریں،ہندوستان کے بعض اضلاع کے حالات ،تاریخ بنگال،ہندوستان کی عام تاریخ اور اخلاقی تعلیم پر ایک رسالہ وغیرہ شامل تھے۔لیکن اس سمت عملی طور پر کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی،البتہ جلد ہی ایک انجم ''انجمن اشاع علوم بذریعہ النہ ملکی'' کا قیام عمل میں آیا۔

اس کے بعد ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔اس نے خاص طور پر زور دیا گیا کہ انگریزی الفاظ کے استعمال سے ہمکنہ طور پر گریز کیا جانا چاہیے۔اسی طرح یہ بات بھی واضح کی گئی کہ ترجمہ الفاظ بہ الفاظ نہ ہو بلکہ ترجمے کا مقصد جملے کے معنی ومطلب کو صحیح طور پر ادا کرنا ہو۔اس کمیٹی سے فائدہ اردو کو زیادہ ہوا۔اگر چہ انجمن اردو،بنگالی اور ہندی میں ترجموں کے لئے قائم کی گئی تھی لیکن اردو کے سوائے کسی زبان پر ترجمے نہیں ہوئے۔اس موقع پر یہ بھی کہا گیا کہ اردو ترجموں کے سب سے موزوں جگہ دلی کالج ہے کیونکہ اردو شعبہ جات ،صوبہ مغربی بانگال اور بہار میں سرکاری زبان ہے۔اس لئے اس کی اہمیت ہندی سے زیادہ ہے۔اس زمانے میں اردو ہی میں سب سے زیادہ کتابیں مرتب اور شائع ہوئیں۔اور شروع ہی سے اس انجمن پر دلی کالج کی گرفت مضبوط رہی۔بترس کے پرنسپل شپ کا دور خاص طور پر اردو کے حق میں سازگار رہا کہ ۱۸۴۱ میں انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہونا شروع ہوا۔اچھے ترجموں پر معاوضہ بھی دیا

جانے لگا اور جب کسی انگریزی درسی کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو جاتا اور اس کی اشاعت عمل میں آتی۔تو اس کی حیثیت وہی ہوتی جو اصل انگریزی کتاب کی ہوتی۔۱۸۴۵ میں بتروس نے بیماری سے سبب رخصت لی اور یورپ چلے گئے۔اسپرنگران کے جانشین بن کر آئے۔اسپرنگر نے بھی کتابوں کے ترجموں اور ان کی اشاعت کا کام اس ذوق وشوق سے انجام دیا۔

ترجموں کو تیار کرانے اور ان کی کتابی صورت میں اشاعت کے اخراجات ایک خانگی سوسائٹی ادا کرتی تھی۔لیکن حکومت بھی اس ضمن میں امداد کرتی کہ کتاب کی اشاعت کے بعد اس کے متعدد نسخے حکومت خرید لیتی اور یہ کالجوں اور مدرسوں میں تقسیم کرائے جاتے۔سرکاری مالی تعاون کے سب سے بھی اندازہ ہوگا کی دلی کالج کے پرنسپل نے ریاضیات،طبعی جغرافیہ،تخلیقی ہندسہ اور مخلوط ریاضی پر کتابیں شائع کرنے کی تجویز پیش کی۔حکومت نے اس تجویز کو منظور کرلیا۔اور حکومت کی خواہش نے لوکل تعلیم کمیٹی نے ان کتابوں کے اردو ترجموں کی طباعت کا تخمیہ بھیجا اور اس سفارش کے ساتھ کہ یہ کام ماسٹر رام چند کے حوالے کیا جائے جو یورپی سائنس کے مدرس ہیں۔اور ''فوائدالناظرین'' اور ''محبّ ہند'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے معروف ہیں۔کمیٹی نے اس توقع کا اظہار کیا کہ ماسٹر رام چندران کتابوں کا عمدہ ترجمہ کریں۔اس کے مصارف کمیٹی برداشت کرے گی۔واقعہ یہ ہے کہ اردو کو ایک علم زبان بنانے کی کی یہ ایک دقیع سعی تھی جو نہایت اہتمام کے ساتھ عمل میں آئی،کمیٹی نے کوئی (۱۲۸) کتابوں کو لکھوایا اور ان کی اشاعت ہوئی۔چند کتابوں کے عنوانات درج کئے جاتے ہیں کہ ان کے معیار کا اندزہ ہو۔تحریر اقلیدس،تاریخ ہند،عملی ہند ہندسہ،تاریخ اسلام،تاریخ یونان،تاریخ روم،انتخاب شعرائے اردو،اصول علم ہیت،قانون مال،تاریخ ایران۔جغرافیائی قدیم کے نقشے،طبعی نباتات،علم معدنیات،حرکیات وسکونیات،حکمائے یونان،احوال المفسرین اور ان کے علاوہ اردو شعراء،سودا،میر،درد اور اجرا وغیرہ دواوین اور کئی کتابیں۔

دلی کالج کی سرگرمیوں کے سلسلے میں مختلف کمیٹیوں کے علاوہ کالج کے پرنسپلوں اور اساتذہ کا غیر معمولی حصہ رہا۔ان پرنسپلوں نے اردو کو علمی طور پر پرلانے کی مساعی کیں۔اور ان میں سے بعض نے تو غیر معمولی اپنائیت اور ہمدردی سے کام لیا،یہاں ابتداء ہی سے یہ صورت رہی۔غازی الدین خاں کر مدرسے نے جب ۱۸۲۵ میں دلی کالج کی صورت اختیار کی تو جے۔ایچ،ٹیلر کا کالج کے سیکریڑی اور سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ان کی اور بھی ذمہ داریاں تھیں اور وہ کالج کے لئے اوقات صرف نہیں کر سکتے تھے،مجلس مقامی نے یہ تجویز پیش کی کہ کالج کا مستقیل طور پر کوئی پرنسپل ہو۔چنانچہ ۱۸۴۱ میں حکومت نے اس تجویز کو منظور کیا اور ایف۔بتروس کا (۶۰۰) ماہانہ پر بحیثیت پرنسپل تقرر عمل میں آیا۔بتروس لائق،قابل اور کارکرد شخصیت تھے اور مغربی علوم کی ترویج اور دیسی زبانوں میں انھوں نے دلی کالج کے سلسلے میں بھی انھوں نے بہت سی اصلاحیں کیں اور مشرقی شعبے کو ترقی دینے میں نمایاں حصہ ادا کیا کہ اس کو انگریزی شعبے کے برابر دقیع اور اہم بنا دیا۔بتروس کے بعد اے۔اسپرنگر پرنسپل مقرر ہوئے یہ عربی زبان اور ادب کے والم تھے اور دلی کے علم حلقوں میں ان کو عزت کے نظر سے دیکھا جاتا تھا۔انھوں نے یہاں جلد ہی اپنا مقام بنالیا۔اس کے علاوہ دلی ورنیکلر سوسائٹی کے یہ روح رواں تھے۔اس سوسائٹی نے اردو زبان کے ذریعہ مغربی علوم کی اشاعت میں بڑا کام کیا۔اسپرنگر نے کالج کی ترقی میں دلچسپی لی،خصوصاً مشرقی شعبے کے نصاب میں ان کی اصلاحیں اہمیت رکھتی ہیں۔کئی کتابوں کو ترتیب دیا اور چھپوایا۔ ان کی زمانے میں کالج کی انتظامی حالت بھی بہتر ہوئی۔فروری ۱۸۴۸ کو اسپرنگر کو شاہ اودھ کے کتب خانے کی فہرست تیار کرنے کا کام سونپا گیا۔یہ لکھنو چلے گئے

،جنوری ۱۸۵۰ میں یہ اپنی خدمت پر واپس ہوئے ۔لیکن دو چار ماہ عدالت کا سلسلہ رہا اور پھر مئی ۱۸۵۰ میں ان کا نثری سفر بنگال میں کر دی گئیں ۔اور جے ،کارگل دلی کالج کے پرنسپل ہوئے ۔کارگل کے بعد ۱۸۵۴ میں ٹیلر کو عارضی طور پر پرنسپل بنایا گیا۔ ۱۸۵۷ میں یہی پرنسپل تھے ۔ان ہنگاموں میں ان کی بے دردی کے ساتھ موت ہوئی ۔ٹیلر کالج کے مقبول ترین پرنسپلوں میں تھے، یہ طلبہ کو اور طلبہ ان کو بہت زیادہ چاہتے تھے۔وہ لائق ہی نہیں تھے، نیک سیرت اور نیک اطوار بھی تھے۔

۱۸۵۷ کے ہنگاموں میں کالج بند ہو گیا اور چھ سال بعد ۱۸۶۴ میں جب کھلا تو ایڈمنڈ ولمٹ جو ٹرنٹی کالج انگلستان سے تعلق رکھتے تھے، پرنسپل کی حیثیت سے آئے ۔وہ ریاضی کے بڑے عالم تھے اور کالج کے درجوں اور انٹرنس کی جماعتوں کو ریاضی پڑھاتے تھے۔ نیز اردو اور عربی انگریزی میں ترجموں کی تصحیح کا کام بھی کرتے ۔لیکن اپنی علالت کے سبب یہ زیادہ دن معروف نہیں رہ سکے۔ دلی کالج کے اساتذہ میں پروفیسر ایلس کا نام بہت معروف ہے ۔یہ انگریزی زبان و ادب کے بڑے عالم تھے ۔طلبہ میں بھی مقبول تھے۔لیکن شراب نوشی کی عادت اس قدر تھی کہ ان کی مقبولیت متاثر ہوئی ۔ان کی تنزلی عمل میں آئی اور وہ پروفیسر سے سکینڈ ماسٹر بنا دیے گئے ۔پھر بھی کالج کی جماعتوں کی تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔

مشرقی شعبے کے اساتذہ میں مولوی مملوک علی کا نام پہلے لیا جانا چاہیے ۔یہ نہایت قابل اور عالم فاصل شخصیت تھے ۔فارسی ،عربی اور اردو تینوں زبانوں میں انھیں قدرت حاصل تھی ۔اور پھر ان زبان پر ہی نہیں بلکہ علم وفنون پر بھی ان کا ملکہ تھا۔حافظہ بھی اچھا تھا۔طلبہ ہر وقت ان کو گھیرے رہتے تھے ۔تحریر اقلیدا کا ترجمہ انھوں نے اردو میں کیا ۔چار مقالہ اول کا اور دو مقالوں (آخر کے گیارہویں اور بارھویں) کا ترجمہ بھی ان کا کیا ہوا ہے۔انھوں نے سنن ترمذی کا بھی اردو میں ترجمہ کیا۔شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے۔

مولوی امام بخش صہبائی کے نام سے کون واقف نہیں؟ یہ فارسی کے بہت بڑے عالم ،مصنف اور شاعر تھے۔آج بھی ان کے علم وفضل کا لوہا مانا جاتا ہے۔فارسی میں ان کے تصنیف کے علاوہ اردو صرف نحو پر انکی اچھی کتاب ہے۔حدائق البلاغت کا اردو ترجمہ بھی انھوں کیا اور شعرائے اردو کا انتخاب بھی ان ہی کا ہے۔مولوی سبحان بخش بھی دلی کالج کے نامور استاد تھے۔''محاورات ہند'' ان کی مشہور کتاب ہے۔''دفیات ایمان'' ترجمہ تاریخ ابن خلکان بھی انھیں کا کیا ہوا ہے۔انھوں نے تزک تیموری کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے۔اس کے علاوہ تذکرہ مفسرین اور تذکرہ حکماء بھی انھیں کے ہیں۔

ماسٹر رام چندر دلی کالج کے ہی طالب علم تھے اور یہی سائنس کے استاد بھی مقرر ہوئے ۔سائنس کی تعلیم اردو زبان میں دیتے تھے اور طلبہ میں مقبول تھے ۔یورپی سائنس کے مدرس ہوئے اور (۵۰) روپیئے تنخواہ پائی ۔انھوں نے اردو میں الجبرا اور علم مثلث پر کتابیں لکھیں۔انھوں نے ایک رسالہ ''فوائد الناظرین'' بھی نکالا جو پندرہ روزہ تھا۔اس میں اکثر علمی مباحثے ہوا کرتے تھے۔انھوں نے ایک اور رسالہ ''محبّ ہند'' کے نام سے بھی جاری کیا۔ یہ بہت اچھے مدرس تھے اور اپنے موضوع پر قدرت رکھتے تھے۔انھوں نے انگریزی کتابوں کی مدد سے ایک کتاب جبر و مقالہ لکھی اور ایک رسالہ اصول علم مثلث ،الجبرا اور تراش ہائے مخروطی میں اور علم ہندسہ بالجبر میں لکھا۔انھوں نے اپنی کتاب کلیات وجزئیات بھی شائع کی ۔ان کی ایک اور کتاب تفرقی احصاء ہے۔انھوں نے عیسائی مذہب قبول

کرلیا تھا۔ بعد میں ان کا میلان مذہب کی طرف ہوگیا اور انھوں مذہبی مباحثے پر کتابیں لکھنا شروع کیں۔ ۱۸۵۷ کے ہنگاموں میں وہ مصیبتوں کا شکار ہوئے۔ جنوری ۱۸۵۸ میں وہ نیو ہیڈ ماسٹر ٹاسن سول انجنیر نگ کالج مقرر ہوئے۔ ستمبر ۱۸۸۵ میں دلی ڈسٹرکٹ اسکول کے صدر مدرس ہوئے۔ خرابی صحت کے باعث وظیفہ لے لیا لیکن بعد میں پٹیالہ میں ناظم تعلیم ہوگئے۔ ان کا انتقال ۱۸۹۰ میں ہوا۔ شمس العلماء ڈاکٹر ضیاالدین بھی اسی کالج کے طالب علم تھے۔ پہلے اسسٹنٹ پروفیسر عربی مقرر ہوئے بعد میں پروفیسر کے عہدے پر ترقی پائی۔

ماسٹر پیارے لال بھی دلی کالج کے طالب علم تھے۔ ماسٹر رام چندر اور مولانی صہبائی جیسے اساتذہ سے انھوں نے علم حاصل کیا۔ تعلیم کے بعد گڑگاوں اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ پھر دلی نارمل اسکول کے ۱۸۶۴ میں پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق ہوئے اور پھر مدارس کے انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انھوں نے اردو کی خدمات نہایت گرم جوشی سے کی۔ ان کی کتابوں میں سے چند ہیں۔ قصص ہند (حصہ اول، حصہ دوم) اور تاریخ انگلستان وغیرہ۔

اب چند ایسی شخصیات کا ذکر جنھوں نے دلی کالج سے فیض اٹھایا، یہاں طالب علم وہے۔ ان کے کارناموں سے اردو ادب کی تاریخ رنگین اور معطر ہوئی۔ اس سلسلے میں ماسٹر رام چندر اور پیارے لال کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ ایسے دیگر اصحاب میں شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد ہیں۔ ان کے ناولوں اور اردو ادب میں ان کی خدمات سے کون واقف نہیں۔ محمد حسین آزاد کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اردو میں جدید شاعری کے تعلق سے مولانا آزاد گراں قدر خدمات ہیں۔ مولوی ذکاء اللہ نے ریاضی کے تمام شاخوں پر و نیز تاریخ، جغرافیہ، اخلاقیات اور طبیعات پر کئی کتابیں لکھیں۔ مولوی ضیاء الدین بھی ہیں۔ ان کی کتاب ''رسوم ہند'' پہلا حصہ ہے۔ پتمبر بھی دلی کالج کے ذہین طلبہ میں تھے۔ ماسٹر رام چندر کے ہم جماعت تھے۔ ۱۸۴۵ سے کالج سے انجنیئر نگ کے لئے بھیجے گئے۔ بعد ازاں دلی میں پہلے دیسی سول انجنیئر مقرر ہوئے۔ موتی لال دہلوی بھی کالج کے ممتاز طالب علم تھے۔ انگریزی کی اعلی قابلیت کے حالم تھے۔ ختم تعلیم کے بعد بورڈ آف ایڈمنسٹریشن لاہور میں فارسی مترجم ہوئے۔ ا۔ مولوی ذکاء اللہ اور ماسٹر رام چندر کے شاگرد تھے۔ پنجاب گورنمنٹ میں میر منٹی مقرر ہوئے تھے۔ سری رام بھی اچھے طالب علم تھے پہلے محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے بعد ازاں ریاست الور میں دیوان مقرر ہوئے۔ حکم چند نے بھی اعلی لیاقت کا مظاہرہ کیا۔ ختم تعلیم کرنے کے بعد حیدر آباد دکن میں اعلی خدمات پر معمور ہوئے۔ اس کی قابلیت مسلّم تھی۔ نند کشور نے دلی کالج سے بی۔ اے اور پنجاب میں انسپکٹر آف اسکولس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ماسٹر کیدار ناتھ نے بھی یہی تعلیم پائی اور گورنمنٹ ہائی اسکول میں سکینڈ ماسٹر ہوگئے۔

پیرزادہ محمد حسین اور خواجہ محمد شفیق الدین دونوں اس کالج کے طالب علم رہے۔ پیرزادہ نے سفر نامہ ابن بطوطہ کا اردو ترجمہ کیا۔ ان کی علم قابلیت مسلّم تھی۔ خواجہ محمد شفیق نے بھی کتابیں لکھیں۔ میر ناصر علی ایڈیٹر ''صلاح عام'' بھی دلی کالج کے طالب علم تھے۔ ماسٹر جانکی پرشاد بھی لائق شخص تھے۔ ذات کے برہمن تھے لیکن عیسائیت قبول کرلی تھی۔ سین اسٹیفن اسکوم میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ پنڈت دھرم نارائن کا شمار بھی دلی کالج کے لائق اور مقبول اساتذہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے سیاسی معاشرت کا اردو میں ترجمہ کیا۔ تاریخ انگلستان کے ایک حصہ کا بھی ترجمہ ان کا کیا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں سرسید کی سائنٹفک سوسائٹی کے لئے ملکی سیاسی معاشرت کا انتخاب بھی

کیا۔ان کی یہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔کالج کے ایک اور لائق طالب علم شیونارائن تھے۔انھوں ہندوستان کا جغرافیہ اردو میں لکھا اور سو روپ نارئن کے اشتراک سے علم طبیعات کا ترجمہ کیا۔مولوی کریم الدین بھی کالج کے طالب علم تھے۔پانی پت وطن تھا۔لیکن دلی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ان کا مطبع بھی تھا۔انھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔جن میں سے چند کافی مشہور ہوئیں۔تعلیم النسا،گلستان ہند،تذکرئے شعرائے ہند،گلدستہ نازنیناں،تذکرۂ النسا،ترجمہ ابوالفد ،وغیرہ۔غرض دلی کالج کی اردو خدمات کئے زاویوں سے اہم،اطمینان بخش اور لائق تحسین ہیں۔

7.4 خلاصہ

دلی کالج ۱۸۲۵ء میں قائم ہوا۔اس میں ہر مضمون کی تعلیم اردو زبان میں دی جاتی تھی۔اس کالج کی حیثیت ایک سرکاری تعلیمی درسگاہ تھی۔اس کالج کو بام عروج پر پہچانے اور اس کی تعلیمی سرگرمیوں کو صحیح سمت دینے میں جن غیر ملکی شخصیتوں نے نمایاں حصہ لیا ان میں مسٹر ٹیلر،ڈاکٹر اسپرنگ اور مسٹر کارگل کے نام بہت مشہور ہیں۔بالخصوص ڈاکٹر اسپرنگ کی محرک شخصیت نے کالج کے کام کو آگے بڑھا نے اور اردو زبان میں بہترین کتابوں کو منتقل کرا کے اس زبان کو بے بصاعتی،کم مائیگی،اور علمی افلاس کو دور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔دلی کالج کا عہد زرین پچاس سال تک رہا۔۱۸۵۰ء کی جنگ آزادی اس کالج کے لیے بھی بلائے ناگہانی ثابت ہوئی۔کالج کے پر نسپل مسٹر ٹیلر قتل کر دیے گئے۔امام بخش صہبائی نے درورسن کو زینت بخشی۔اردو کالج کو آگ لگا دی گئی کتب خانہ لوٹ لیا گیا اور سائنس کی تجربہ گاہ تباہ ہوگئی جس سے کالج کی حالت انتہائی خراب ہوگی۔یہ کالج صرف کالج ہی نہیں بلکہ ایک تحریک تھا۔جس نے بقول انور سدید''اردو ادب کے بند پنوں کو خیالات کی جوئے تازہ کی صورت دینے کی کوشش کی۔''اس تحریک نے نئے خیالات وتصورات سے اردو زبان کو مالا مال کیا اور اردو نثر کو علمی اسلوب اسلوب نئے سائنسی انداز سے روشناس کرایا۔یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس کالج کے مصنفین کی نثر کلی طور پر قدیم انداز نگارش سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکی تھی اور''پس'' ''مابعد''وغیرہ جیسے الفاظ کے استعمال اور لفظوں کی ترتیب میں بے ترتیبی اور الٹ پھیر جیسی قدیم نثری خصوصیات اس میں موجود تھیں۔پھر بھی اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس کالج کی کوشش سے اردو نثر میں مستقبل کے نئے امکانات کی روشنی نظر آنے لگی تھی اور اس میں ایک طرح کی پختگی کا احساس ہونے لگا تھا۔اس طرح اردو زبان وادب پر اس دلی کالج تحریک کے اثرات مرتب ہوگئے۔

7.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سے بیس سطروں میں تحریر کیجیے۔

(۱) دلی کالج کا قیام کس طرح رکھا گیا؟ اسے اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے؟

(۲) دلی کالج کی ابتداء کسطرح ہوئی؟واضح کیجیے۔

(۳) دلی کالج کی ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے؟

(۴) دلی کالج کی شروع کا مقصد کیا تھا؟

(۵) دلی کالج میں کن شخصیات نے ادبی کارنامے انجام دیے؟

(۶) دلی کالج کا پس منظر واضح کیجیے؟

(۷) دلی کالج کی ادبی خصوصیات بیان کیجیے؟

(۸) ماسٹر رام لال جی کی ادبی خدمات کا جائز لیجیے؟

7.6 فہرہنگ

الفاظ	:	معنی
مدرسہ	:	انجمن
کلچر	:	تہذیب
سلطنت	:	ریاست
مصدر	:	نکلنے کی جگہ، منبع
اساس	:	بنیاد، جڑ
راست	:	سیدھا، سچ، درست
منسلک	:	پرویا ہوا، شامل
شناخت	:	پہچان، تمیز، واقفیت
سپرد	:	حوالے کیا ہوا، سونپا ہوا
وجود	:	زندگی، جسم، ذات
مربوط	:	بندھا ہوا، وابستہ
محدود	:	حد کیا ہوا، گھرا ہوا
اٹوٹ	:	نہ ٹوٹنے والا، لگا تار، مسلسل
ترک	:	دست برداری، چھوڑ دینا

7.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) ادب کی جمالیات از: ڈاکٹر شکیل الرحمٰن

(۲) ادبی اصناف از: پروفیسر گیان چند جین

(۳) اردو کی شعری ونثری اصناف از: پروفیسر مجید بیدار

(۴) ادب نقد حیات از: پروفیسر یوسف سرمست

(۵) اردو ادب کی تاریخ از: عظیم الحق جنیدی

(۶) تاریخ ادب اردو از: نورالحسن نقوی

(۷) اردو صرف از: ڈاکٹر محمد اانصار اللہ

☆☆☆☆☆

اکائی ۸ : قطب شاہی دور کی ادبی خدمات

اکائی کے اجزاء

8.1 مقاصد
8.2 تمہید
8.3 موضوعات
8.3.1 قطب شاہی دور کا تاریخی، ثقافتی، لسانی اور ادبی پس منظر
8.3.2 قطب شاہی دور کے اہم شعراء اکرام
8.3.3 قطب شاہی دور کی اہم شعری اصناف
8.3.4 قطب شاہی دور کے اہم نثری اصناف
8.3.5 قطب شاہی دور کے اہم نثر نگار
8.4 خلاصہ
8.5 نمونے کے امتحانی سوالات
8.6 فہرہنگ
8.7 شفارش کردہ کتابیں

8.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ قطب شاہی دور کا تاریخی، ثقافتی اور لسانی پس منظر سے واقف ہوسکیں گے۔

☆ قطب شاہی کے دور اہم نثر نگاری اور اہم شعراء کا جائزہ لے سکیں گے۔

☆ قطب شاہی دور کی شعری خدمات اور ادبی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔

☆ قطب شاہی دور میں اردو کا فروغ کس طرح ہوا؟ یہ بتاء سکیں گے۔

☆ قطب شاہی دور کے اہم تصانیفات کا جائزہ لے سکیں گے۔

☆ ملا وجہی اور غواصی اور دیگر ادباوں کے کارناموں سے واقف ہوسکیں گے۔

8.2 تمہید

دکن میں بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد دیگر خود مختار سلطنتیں وجود میں آئیں۔ ان سلطنتوں میں گول کنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتیں ہیں۔ جس میں سے ایک قلی قطب شاہی سلطنت کہلائی۔ قلی قطب شاہی کی پیدائش ۱۵۶۶ء میں ہوئی۔ اس وقت اردو ایک ادبی زبان

کا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بہمنی عہد میں اردو میں شعری ونثری اصناف کے ارتقاء کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد دکن میں پانچ خودمختار ریاستیں قائم ہوئیں۔ قطب شاہی سلطنت بھی انہی میں سے ایک ہے۔ قطب شاہی عہد اردو ادب میں اصناف ادب کی ترقی کا ایک اہم عہد تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور میں شعری ونثری اصناف میں تیز رفتار ترقی ہوئی۔ شعری اصناف میں مثنوی، مرثیہ، قصیدہ اور غزل اہمیت کی حامل ہے۔ اس عہد میں نظم بھی لکھی گئی جو نسبتاً ایک جدید صنف سخن تصور کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ رباعیات بھی ملتے ہیں۔ اس اکائی میں قطب شاہی عہد کی چند اہم شعری اصناف نثر نگاری، نثر نگاروں اور اہم شعراء کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

8.3 موضوعات

8.7.1 قطب شاہی دور کا تاریخی، ثقافتی، لسانی وادبی منظر نامہ

دکن میں بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد پانچ آزاد اور خودمختار ریاستیں وجود میں آئیں جن میں گولکنڈہ کی قطب شاہی، بیجاپور کی عادل شاہی، احمد نگر کی نظام شاہی، برار کی عماد شاہی اور بیدر کی برید شاہی شامل ہیں۔ ان سلطنتوں میں گولکنڈہ کی قطب شاہی کو اس کے محل وقوع، خوشگوار آب وہوا، سیاسی استحکام، عمارت وغول، معدنی دولت، تہذیب وشائستگی، فنون لطیفہ کے فروغ اور علم وہنر کی سرپرستی کی بناء پر امتیاز حاصل ہے۔

قطب شاہی سلطنت کا بانی سلطان قلی قطب شاہ تھا۔ جس نے ۱۵۱۸ء میں قطب شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی، گولکنڈہ اس سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اس خاندان کے دیگر سات حکمرانوں نے مل کر تقریباً ڈیڑھ سو سال انتہائی پرامن طور پر حکومت کی اور اپنی علم دوستی اور ادب نوازی کے ان مٹ نقوش تاریخ پر مرتب کئے۔ سلطان قلی بہمنی دور میں تلنگانہ کا صوبے دار تھا۔ بہمنی سلطنت کے ٹوٹنے پر دوسرے صوبے داروں کی طرز پر اس نے بھی گولکنڈہ میں اپنی خودمختار سلطنت کا اعلان کر دیا اور تیزی سے اپنے اطراف کے قلعوں اور علاقوں پر قبضے کئے۔ اس نے سترہ قلعوں پر قبضہ کرتے ہوئے اپنی سلطنت کو وسیع، باعظمت اور شاندار بنا دیا۔ جنگ وجدل میں اپنی مصروفیت کے باوجود وہ علم وفن کا قدردان رہا، اس نے ''آتش خانہ'' کے نام سے ایک خاص محل تعمیر کیا تھا جہاں وہ اپنی ریاست کے اہم ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں سے ملاقات کرتا۔ ان کے فن سے مستفید ہوتا اور انھیں انعام واکرام سے نوازتا تھا۔

سلطان قلی شاہ کے بعد اس کا بیٹا جمشید تخت نشین ہوا جو خود بھی ایک اچھا فارسی شاعر تھا۔ جمشید نے سات سال حکومت کی۔ جمشید کے انتقال پر سبحان قلی اور سبحان قلی کے بعد ابراہیم قطب شاہ سند نشین ہوئے۔ ابراہیم قطب شاہ کا دور گولکنڈہ کی علمی، ادبی، فکری اور تعمیری ترقی کا دور ہے۔ ساتھ ہی علم کے فروغ کے لئے مدارس کھولے گئے۔ دربار میں متعدد علماء، شعراء اور دانشوران کو خصوصی درجات دے کر مدعو کیا۔ ابراہیم نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔ ابراہیم کے بعد محمد قلی قطب شاہ سند نشین ہوا۔ محمد قلی قطب شاہ کا دور حکومت قطب شاہی دور کا سب سے اہم اور سب سے کامیاب دور ہے۔ اسی سے اس دور کی شناخت بنتی ہے۔ اس کا عہد انتہائی امن وامان اور علم وہنر کی ترقی کا دور ہے۔ اس نے شہر حیدرآباد کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اسے خوبصورت شہر بنایا، نئی نئی تعمیرات کی گئیں۔ سلطان محمد قلی کے دربار میں علامہ میر محمد مومن کے علاوہ

قاضی محمد سمانی میرک معین الدین سبزواری، مرزا محمد امین جیسے اصحاب علم وفن موجود تھے۔ مرزا محمد امین نے خمسہ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں، شیریں خسرو، لیلی مجنوں فلک البروج اور مطبح الاشعار لکھ کر اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا جیسا کہ تذکرہ کیا گیا سلطان محمد قلی نے شہر حیدر آباد کو آباد کیا اور اس کو عالی شان عمارتوں، خوبصورت ایوان، سرسبز اور شاداب خوشنما باغوں، نہروں سے آراستہ کیا اور اس شہر کے عمرانی لوازم کو نہایت سلیقہ اور ہنر مندی کے ساتھ جمع کر دیا تھا اور تلنگانہ کے طول وعرض میں بہترین اجتماعی زندگی کی بنیاد ڈالی۔ اس کو فنون لطیفہ کی ہر شاخ سے دلچسپی تھی جس کی وجہ سے زندگی میں شگفتگی پیدا کرنے کے اسباب جمع کیے۔ شاعری، موسیقی، مصوری سے دلچسپی تھی اور ان کو ترقی دینے میں پوری کوشش کرتا رہا۔ اس کے زمانے میں مدرسے، خانقاہیں، مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ دکھنی (قدیم اردو) شاعری کو فروغ حاصل ہوا۔

سلطان محمد قلی کے بعد اس کا بھتیجا اور داماد سلطان محمد اس کا جانشین ہوا اور صرف چودہ سال کی حکمرانی کے بعد چونتیس سال کے سن میں ۱۳/ جمادی الثانی ۱۶۲۶ھ میں وفات پائی۔ سلطان محمد اپنے علم وفضل، پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ کردار کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کی چودہ سالہ حکومت میں علمی اور عمرانی ترقی ہوئی۔ حیدر آباد میں مکہ مسجد کی تاسیس اس کا بڑا کارنامہ ہے۔ سلطان محمد کو شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ فارسی اور اردو میں شعر کہتا تھا "ظل اللہ" اس کا تخلص تھا۔ تمام خاندان قطب شاہی میں سلطان محمد کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے خود اپنے علم وفن کا بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ اس کے زمانہ میں کئی دکنی شعراء تھے جن میں وجہی، غواصی، قطبی، ابن نشاطی، جنیدی وغیرہ مشہور ہیں۔

محمد قطب شاہ کے بعد اس کا فرزند عبداللہ تخت نشین ہوا، اس کی کم سنی کے باعث اس کی ماں حیات بخشی بیگم حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے کر انتظام ملک کرتی رہی، علامہ شیخ محمد جو ابن خاتون کے لقب سے مشہور تھے، پیشوائی کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ علامہ کی فراست اور دوررس نظر نے ملک میں فتنہ وفساد کی آگ کو پھیلنے نہیں دیا۔ اگر چہ عالمگیر نے حملہ کیا مگر حیات بخشی بیگم کی وجہ سے صلح ہوگئی اور قطب شاہی حکومت مغل کی باج گزار سلطنت بن گئی۔ حیات بخشی بیگم نہ صرف نظم ونسق کا اچھا سلیقہ رکھتی تھی بلکہ ملک میں مذہبی تعلیم کے لیے اس نے حیات نگر میں ایک درسگاہ بنائی جہاں سو سو طلباء تعلیم پاتے اور ان کے قیام اور طعام کے لئے حکومت کی جانب سے انتظام کیا گیا تھا۔ آج تک اس مدرسہ اور قیام گاہ کے کھنڈر باقی ہیں۔

سلطان عبداللہ کے بالغ ہونے پر حیات بخشی بیگم نے عنان حکومت اس کو سونپ دی۔ سلطان عبداللہ اپنے نانا کی طرح عیش پسند اور طرب ونشاط کا دلدادہ بادشاہ تھا، کبھی سات گھاٹ کے پرفضا باغوں میں داد عیش دیتا تو کبھی کوہ طور کی عشرت گاہیں اور محلات بزم طرب بنے ہوتے ہر دن عید اور رات شب برات ہوتی، جنگل میں منگل ہو جاتا۔ لیکن اس کے باوجود ملک کی خوش حالی میں ترقی ہوئی، امن وامان رہا۔ زراعت، تجارت میں ترقی ہوئی، کئی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ علم وفن کے لحاظ سے بھی سلطان عبداللہ کا دور حکومت پیچھے نہیں رہا۔ اصحاب کمال اور شعراء نامدار کی سرپرستی ہوتی رہی۔ ادیبوں کو ان کی محنت کا صلہ ملتا رہا۔ ۱۶۷۲ھ سلطان عبداللہ کا انتقال ہوا۔ چونکہ سلطان کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی اس لیے اس کا داماد ابوالحسن تانا شاہ کے لقب سے مشہور ہے تخت پر متمکن ہوا۔ سلطان ابوالحسن تانا شاہ کا چودہ سالہ دور حکومت ۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۷ھ بے اطمینانی اور جنگ وجدل کی خونی فضاء سے لبریز رہا، مگر اس کے باوجود اردو ادب کی ترقی ہوئی، محبّ، کبیر، اولیا، غلام علی، فائز، لطیف افضل وغیرہ شعراء نے کئی مثنویاں لکھیں اور اپنے نتائج فکر سے اردو ادب کی بیش بہا خدمت انجام دی اور باغ اردو کی آبیاری میں حصہ لے کر اس کو سرسبز شاداب کیا۔ قطب شاہی دور حکومت کا عرصہ تقریباً دو سو سال رہا۔

☆ قطب شاہی دور کا تاریخی ثقافتی لسانی وادبی منظر نامہ

قلی قطب شاہی کی پیدائش ۱۵۶۶ میں ہوئی ۔ جب دکن کی فیصلہ دکن کچن گ (تال کوٹ) رام راج اور دکن کے مسلم ریاستوں کے مشترکہ لشکروں کے درمیان ہوئی اور بہمنی سلطنت جب زوال پذیر ہوئی تو اس کے بعد دیگر اور پانچ سلطنتیں قائم ہوئی جن میں گول کنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتیں ہیں ۔جن پر اردو کے حوالے سے نگاہ پڑھتی رہی ہے کہ گول کونڈہ کے قطب شاہی سلطنت کی بنیاد سلطان قلی قطب شاہ ڈالی تھی جو ترکستان قبیلے قراقونلو کا ایک فرد تھا۔ان کے بعد جمشید قلی ، ابراھیم اور سبحان قلی کی حکومتیں قائم ہوئی ان میں سے جمشید فارسی شاعر تھا اور اس کا بھائی ابراھیم تھا جو علم وفن میں بڑی رغبت رکھتا تھا۔ابراھیم وجئے نگر کی ہندو سلطنت میں تقریبا سات سال تک پناہ گزیں رہا تھا۔قلی قطب شاہ جو سلطنت ابراھیم کا بیٹا تھا۔قلی قطب شاہ سے بڑے اور دو بھائی تھے۔جن کا نام عبدالقادر اور حسن قلی اور تیسرے نمبر کا قلی قطب شاہ تھا اور اس سے چھوٹے تین بھائی تھے۔تخت پر عبدالقادر کا حق تھا مگر تخت نشین قطب شاہ ہوا اس کی وقت قلی قطب شاہ کی عمر ۱۵ سال تھی ۔اس نے بیس برس کی حکومت میں اردو ادب کو پھیلنے اور پھولنے کا موقع ملا۔ محمد قلی قطب کے بزرگوں کا زیادہ زمانہ جنگ وجدل اور استحکام انتظام سلطنت کی نظر ہو گیا تھا۔سلطان قلی کے دور حکومت سے لے کر محمد قلی قطب شاہ کے والد ابراھیم قطب شاہ تک عہد کے تہذیبی وسیاسی ثمرات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور قلی قطب شاہ کے دور میں ہی ہندوستان میں ہی علوم وفنون کو ترقی حاصل ہوئی ،قلی قطب شاہ قطب شاہی دور کا چوتھا بادشاہ تھا اپنی تخت نشینی کی نو سال بعد اس نے شہر حیدرآباد کی بنیاد ڈالی جس کا نام قدیم نام اس کی ایک رقاصہ جس نام بھاگ متی کے نام پر رکھا تھا۔اس وقت قلی قطب شاہ اور بھاگ متی کے عشق کی داستان بہت مشہور تھی تب سے لے کر آج تک تاریخ کے پنوں پر لکھی جاتی رہی ان کا عشق یقیناً تاریخی واقعہ ہے جو وجہی کی مثنوی ''مثنوی'' قطب مشتری کا موضوع ہے۔قلی قطب شاہ نے حیدرآباد بسا کر اس کا نام بھاگ نگر رکھا اور بھامتی کو حیدرآباد محل کا خطاب ملا اور اس سبب بھاگ نگر بعد میں حیدرآباد کے نام سے جانا جانے لگا۔

قطب شاہی سلطنت کے بانی سلطنت قلی قطب شاہ نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنی بادشاہت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ دکن کی سرزمین میں اپنے قدیم خاندانی مذہب کو ضرور رواج دینگا۔مگر سلطنت قلی قطب شاہ خاطر خواہ یہ کام نہ کر سکا۔ اس کے سامنے سلطنت کی توسیع استحکام اور انتظام کا مسئلہ اہم تر تھا۔اس لیے محمد قلی قطب شاہ نے اس کے عزائم کی تکمیل کی محمد قطب شاہ نے دکن میں پہلے عاشور خانہ کی تعمیر ۱۵۹۶ میں کراوائی۔قلی قطب شاہی دور کے قلی قطب شاہ اکبر ہم عصر بادشاہ تھے۔دونوں ہی آزاد خیالات کے مالک تھے مگر قلی قطب شاہ ایک دل پھینک عاشق تھا اور عیش عشرت میں زندگی گزارتا تھا لیکن اکبر کا طرز زینت تلوار اور دربار تھا۔اکبر کا عہد شمالی ہند میں اگر ہندو مسلم تہذیب کے امتزاج کا دور تھا تو قلی قطب شاہ کا گول کنڈہ بھی اس امتزاج تہذیب کو رفتار کے ساتھ اپنا رہا تھا۔ مذہب کے بارے میں اکبر اور قلی قطب شاہ لبرل رویہ رکھتا تھا۔قلی قطب شاہ مذہب کو رسمی طور پر مانتا تھا اور قلی قطب شاہ کی ماں تلگنی عورت تھی ۔قطب شاہ کی مادری زبان اردو نہیں بلکہ تلگو تھی ۔قطب شاہ بھی اسی زبان میں بھی وہ شعر کہتا تھا اور ترکمان اس کا تخلص تھا اس کے متعلقہ اشعار معدوم ہے۔لہذاء اس کی شاعری میں ہندی کی چھاپ نظر آتی ہے اس کے نظموں اور غزلوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ ہندوستان کی تہذیب کا ایسا ترجمان بن کر سامنے آتا ہے کہ اس کے یہاں ہندوستانی تہذیب کا رنگ بہت تیز

ہے۔تشبیہ اور استعارے میں اپنی مٹی کی خوشبوں پیدا کرتا ہے اس کی شاعری اس کی زندگی کی ترجمان ہے اس کی نظموں میں اس دور کے حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔قلی قطب کے نظموں کا موضوع کوئل،مور اور پپیے وغیرہ ہیں۔ان میں تہوار،عید،سالگراہ،محل کی زندگی یہاں تک ہی محدود ہی نہیں بلکہ قلی قطب شاہ نے پھلوں اور ترکاریوں پر بھی نظمیں لکھیں۔جن کی تعداد کافی ہے۔قلی قطب شاہ کے یہاں ہندو اور ہندی تصورات پیش از پیش ملتے ہیں۔قلی قطب شاہ کی نظمیں اور غزلیں اپنے اور تہوار کے اعتبار سے خالص ہندوستانی ان میں ایرانی عنصر خال خال ہے۔

قلی قطب شاہ نے بڑی تہدار شخصیت پائی جاتی تھی اس کے کلام میں بے حد رنگارنگی اور تنوع ہے اس سب سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ قلی قطب شاہ شعروشاعری کا دل دادہ تھا اور دوسروں کی رہبری کرتا تھا اس نے اپنی ذاتی تخلیقات کے علاوہ فارسی اور اردو زبان میں متعدد کتابیں لکھوائیں،اس موت کے بعد اس کے جانشین بھیجتے۔محمد قلی قطب شاہ کا مکمل کلیات مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی طرف سے شائع ہوکر نظر عام پر آچکا ہے اس کی اس اشاعت کے بعد دلی کے بارے میں رائے بدلنی پڑھتی ہے اور بابائے ریختہ کا لقب محمد قلی قطب شاہ کے لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قلی قطب شاہ اپنے مخالفین کو لعنت بھیجنے سے بھی گزیر نہیں کرتا تھا وہ اپنی نظم سمرقندیوں بخاریوں اور ملتانیوں پر لعنت بھیجتا ہے لیکن الم ناک واقعہ تو یہ ہیں کہ صبغتہ اللہ بہروچی (۱۰۱۵) ایک مرید شیخ ابراھیم نے نے محمد قلی قطب شاہ کو یک بار اہل سنت کے مذہب کی ترغیب دی اور قلی قطب شاہ کو نوگوار گزرا تو اس نے شیخ ابراھیم کی زبان کٹوادی قلی قطب شاہ کی شاعری اور زندگی میں کوئی دو نہیں ہے اس لیے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ قلی قطب شاہ کی شاعری اور اس کی زندگی سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے تو بلکل بجا ہوگا قلی قطب شاہ ایک بہت بڑا بت شکن بھی تھا مگر ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولتی چاہیے کی اس نے ہمارے اردو ادب کو سچ بولنے کا سلیقہ اور حوصلہ دیا یہ محض شاعرانہ حوصلہ نہیں تھا۔اس میں اپنے اعمال وافعال کو سچائی سے بیان کرنے کا حوصلہ تھا اس کی شاعری ایک اوپر یا رہس کی طرح سے قلی قطب شاہ کی شاعری نے اردو ادب کو فروغ بخشا اسی دور میں گینے جانے والے شاعروں میں ملا وجہی عنوانی احمد گجراتی،ابن نشاطی،میراں جی حسن، طبعی،تانا شاہ وغیرہ کے خصوصی نام شمار کیے جاتے ہیں۔

8.3.2 قطب شاہی دور کے اہم شعراء اکرام

قلی قطب شاہی دور کے اہم شعراء میں اہم فیروز،ملا وجہی،غواصی،حسن مشوقی،ملک خوشنود،ابن نشاطی،قلی قطب شاہ،عبداللہ قطب شاہ،اور محمد قلی قطب شاہ کے ساتھ ساتھ شاہ میراجی وغیرہ شعراء جو قلی قطب شاہ کے عہد میں مشہور وہ معروف شعراء ہوگذر رہے ہیں۔جن میں منتخب شعراء کا اکرام کا ہم مطالعہ کریں گے۔

(۱) فیروز

فیروز دراصل بہمنی اور قطب شاہی عہد کا اولین شاعر تھا۔دراصل یہ بیدر کا باشندہ تھا اور بہمنی سلطنت کے آخری زمانے میں گولکنڈہ چلا آیا اور فیروز کی آمد گولکنڈہ میں وہی حیثیت رکھتی تھی جیسی ولی کی دہلی میں جس کے بعد شمالی ہند کا چراغ روشن ہوا۔فیروز نے نہ صرف اپنے دور میں بلکہ آنے والے اردو کے ادبی حافظ میں بھی اپنا نام بطور یادگار چھوڑا ہے۔کسی بھی اہم اور بڑے شاعر کی عظمت کا

معیار یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد اپنے دور میں اور بعد از اآنے والے اردو میں کتنی مدت تک زندہ رہتا ہے۔ اگر شاعر واقعی بڑا ہے تو آنے والی نسلیں سے اپنی ادبی شناخت کا ایک استعارہ ضرور سمجھتی ہے۔ فیروز کے معاصرین اور اس طرح فیروز مستقبل کے لیے شعری معیارات کا مصور و مصور قرار پاتا ہے اس داستان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گولکنڈا کے ادبی مظر نامہ کی تعمیر تشکیل میں فیروز کی روایات اور اس کے اثرات و کردار بہت اہم ہیں۔ یعنی بنیادی طور پر یہ استاد کی حیثیت سے زبان دان تھا۔ فیروز نے قلی قطب شاہ کے عہد میں اپنا شاعری کی دنیا میں ایک مقام بنایا۔ خاص اسی کے عہد میں اس کی شاعری دنیا کے سامنے ابھر کر آئی۔ اس کی شاعری کو لوگ بہت پسند کیا کرتے تھے۔ فیروز اس وقت کا بہت بڑا شاعر تھا۔

(۲) ملا وجہی

ابراھیم قطب شاہ کے زمانے میں (۱۵۵۰ء سے ۱۵۸۰ء) کا ایک بلند پایہ شاعر گزرا ہے جسکا نام اسداللہ اور وجہی تخلص ہے جس دور میں وجہی نے انکھیں کھولی اس دور میں گولکنڈا کی ادبی روایات کے ابتدائی نقوش استوار ہو چکے ہیں۔ وجہی نے چار بادشاہوں کے دور میں اپنی زندگی گزار لی۔ وجہی کی شعری مشق ابراہیم قطب شاہ کے زمانے سے ہی شروع ہوئی اور جلد ہی ہے ایک مشاق شاعر بن گیا۔ وجہی کے سیرت و عظمت کا ستارہ محمد قلی قطب شاہ (۱۵۱۲ء سے ۱۵۸۰ء) کے دور میں چمک اٹھا اس کے شعر و شاعری کے چرچے عام ہوئے۔ قلی کے دربار میں وجہی ملک الشعراء کی حیثیت رکھتا تھا اور قطب شاہ کا ہم مزاج تھا اور ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مایہ ناز ادیب بھی تھا اس کی اہم شعری تخلیق ''قطب مشتری'' (۱۶۰۹ء) میں لکھی گئی۔ قطب مشتری محمد قلی قطب شاہ شہزادی مشتری کی عشقیہ داستان ہے۔

وجہی کی دوسری اہم نثری کتاب ''سب رس'' عبداللہ قطب کے دور میں (۱۶۳۵ء) میں تصنیف ہوئی چنانچہ نصیرالدین ہاشمی صاحب کا خیال ہے کہ اگر ۶۸۸ھ میں وجہی کی عمر پچیس سال فرض کر لی جائے تو ''قطب مشتری'' لکھتے وقت ۱۰۱۸ھ میں ۵۵ سال اور ۱۰۴۵ھ میں یعنی سب رس لکھتے وقت ۸۲ سال کی عمر ہوتی ہے یہ کوئی ایسی عمر نہیں کہ جو غیر ممکن ہو۔ سب رس بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ پہلے مولوی عبدالحق نے ۱۹۲۵ میں رسالہ ''اردو'' اس کتاب پر سیر حاصل مقالہ قلمبند کیا پھر یہ کتاب ۱۹۳۲ء میں انجمن ترقی اردو ہند سے شائع ہوئی۔ ''سب رس'' ایک تمثیلی وفا اس طرح کے کرداروں کے نام دیے گئے۔

(۳) غواصی

قطب شاہی دور کے اہم شعراء میں ملک شعراء غواصی کا نام قابل ذکر ہے۔ غواصی کا سن پیدائش ڈاکٹر زور کے مطابق ابراھیم قطب شاہ کے دور (۱۶۷۲ء - ۱۵۸۰ء) میں پیدا ہوا۔ اس بیان کا تصدیق قدیم قطب شاہی تاریخوں اور تاریخ گولکنڈا سے بھی ہوتی ہے۔ غواضی کا سخاوت مرزا نے اپنے ایک مضمون ''ملک اشعراء'' غواصی اور اس کا کلام جو رسالہ اردو کراچی اکتوبر ۱۹۵۴ میں شائع ہوا تھا۔ اس کلام میں غواصی کا نام شیخ حسن بہاء الدین اور غواصی تخلص لقب غواصی اور کنیت ابو محمد تھا۔

غواصی نے شعر و سخن کے میدان میں محمد قلی قطب شاہ کے دورے آخر میں جب قلی اور وجہی اس دور کے ادبی افق پر آفتاب کی حیثیت حاصل کر چکے تھے تب اس دور کے بڑے شعراء کے مقابلے میں اسے اپنی انفرادیت کو تسلیم کروانا تھا۔ محمد قطب شاہ کہ دور

(۱۶۲۴۔۱۶۱۲) ہی میں وہ خاموشی کے ساتھ ''مینا ستونتی'' مرتب کرتے ہوئے یہ رائے دی تھی کہ مینا ستونتی اس کی پہلی تصنیف ہے۔

غواصی کی دوسری تصنیف مثنوی ''سیف الملوک وبیع الجمال ۱۶۲۴ء۔۱۰۳۵ء میں لکھی گئی۔جس سے مصر کے شہزادے سیف الملوک اور جنات کی شہزادی بدیع الجمال کا عشقیہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہ ایک رومانی داستان بیان ہے اور الف لیلی سے ماخوذ ہے۔ غواصی نے الیف لیلہ کے قصے کو اپنے طور پر آزادانہ طور سے ڈھالا ہے۔اس کے بعد غواصی نے اپنی تیسری مثنوی طوطی نامہ (۱۶۳۹۔ ۱۰۵۹ھ) میں لکھی۔ ہزار سے زیادہ ابیات ہے یہ مثنوی ۱۶۴۰ میں ضیاء الدین بخشی کے فارسی مقدار میں ملتے ہیں۔غواصی کا طوطی نامہ اصلاح بخشیں کا طوطی نامہ ہے جو فارسی میں لکھا ہے۔سیف الما لک ودیع الجمال تقریبا ۱۴ سال بعد ۱۰۴۹ میں غواصی نے طوطی نامہ لکھا۔ ان غیر معمولی حیثیت رکھنے والی مثنویوں کو دیکھ کر غواصی کے قادرالقلامی اور عظیم المرتبت شاعر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔غواصی نے محمد قلی قطب شاہ کے دور میں نصف آخر میں غزلیں کہنی شروع کی غواصی کے دیوان میں نظم وغزل اور ریختہ ہیں اس کی غزلیں دکنی تیور رکھتی ہے۔غواصی نے قصیدے اور رباعیاں بھی لکھیں۔اس کے علاوہ اس کی مثنوعیاں مینا ستونتی،سیف الما لک۔وبدیع الجمال،اور طوطی نامہ جو اردو دب کی شاہکار مانی جاتی ہے۔

(۴) احمد گجراتی

قلی قطب شاہ کے عہد کے نامور شعراں میں احمد گجراتی کا نام قابل ذکر ہے۔محمد قلی قطب شاہ نے خود احمد گجراتی کو گولکنڈا میں آنے کی دعوت دی تھی۔ احمد گجراتی نے اپنی دو مثنوعیاں یوسف ذلیخا، اور لیلیٰ مجنوں یہ محمد قلی قطب شاہ کے دربار میں پیش کی۔ احمد گجراتی نے اپنی مثنوی یوسف ذلیخا میں اپنا نام شیخ احمد تصنیف کیا ہے۔شیخ احمد شریف سنی گھرانے میں پیدا ہوئے شیخ احمد کے نام مشہور ہوئے ان کے نام کا اور ایک جز وفضل اللہ بھی ہے۔احمد گجراتی کا تاریخی نام بھی ہے جس سے سال پیدائش ۱۶۴۶ برآمد ہوتا ہے۔احمد گجراتی کی پہلی مثنوی لیلیٰ مجنوں ہے جو محمد قلی قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔ یوسف زلیخاء میں احمد گجراتی نے جو اسلوب اپنایا ہے وہ ہر طرح سے دکنی معلوم ہوتا ہے جیسے تبسم کاشمیری نے شدھ دکنی بتایا ہے۔احمد گجراتی نے غزلیں بھی کہں لیکن اس کی غزلیں زیادمشہور نہیں ہوئیں اس کے علاوہ انھوں نے قصائد بھی تحریر کیے ہیں۔

(۵) ابن نشاطی

عہد عبداللہ قطب شاہ (۱۶۷۲ء تا ۱۶۲۶ء) کے دور میں ایک اور مشہور شاعر ابن نشاطی تھے۔ جس نے مثنوی پھول بن کی تالیف ۱۶۵۵ء میں کی۔ان کا پورا نام شیخ محمد مظر الدین ابن نشاطی تھا۔ان کے والد محترم شیخ فخر والدین تھے۔ابنِ نشاطی کے نام کا اندازاں بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے وقت می مرشد بھی تھے۔ابن نشاطی کو فارسی سے خاص محبت تھی اور وہ فارسی شاعری کے مزاج سے آشنا تھا۔

ابن نشاطی نے مثنوی ''پھول بن'' کے علاوہ طوطی نامہ کو ابن نشاطی کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ پھول بن کی مقبولیت وشہرت کی وجہ سے ابن نشاطی کی دل میں شاہی سرپرستی کی حسرت تھی وہ پوری ہوگئی تھی۔ابن نشاطی کی پھول بن فارسی مثنوی سے ماخوذ ہے۔ پھول بن کی زبان نسبتا صاف اور آسان ہے۔ پھول بن کی داستانی فضاء یہ مثالیت اور غالب ہے۔مثالی شہر،مثالی بادشاہ،مثالی حسن،

مثالی عشق اور مثالی وفا وغیرہ داستان کا شہر کنچن پٹن ،تخلیق زرخیزی کا شہر ہے جہاں کی زمین اور زمین کی ہر شئے میں حرکت وحرارت موجود ہے۔ پھول بن کی مقبولیت نے ابن نشاطی کو بہت شہرت کے مقام تک پہنچا دیا۔شعری اوصاف کی بناء پر پھول بن کو ایک امتیازی درجہ دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس مثنوی مین ابن نشاطی نے جو زبان استعمال کی دکنی مزاج اور میلان کا پتہ چلتا ہے

(۶) ابوالحسن تاناشاہ

ابوالحسن تاناشاہ کو اپنی خوش نصیبی کی وجہ سے عبداللہ قطب شاہ کی وفات کے بعد بادشاہ بن گیا۔ابوالحسن نے اپنے لیے ایک محل جس کا نام ''چارمحل'' تھا یہ تعمیر کروایا۔ یہ محل اس کے ذوق کا نمونہ تھا۔ چارمحل میں زندگی بسر کرنے والا بادشاہ ابوالحسن تاناشاہ یہ شاعر بھی تھا۔ابوالحسن ایک روایت کے مطابق عبداللہ کا بھتیجا اور داماد تھا۔

8.3.3 قطب شاہی دور کی اہم شعری اصناف

(۱) مثنوی

مثنوی قدیم اردو شعری سرمائے کی مقبول ترین صنف سخن رہی ہے۔قطب شاہی دور کی شعری اصناف کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مثنوی اس دور کی مقبول ترین صنف سخن رہی ہے۔ بیشتر مثنویوں' فرضی قصّوں اور داستانوں پر مشتمل ہیں۔ان میں سے زیادہ تر فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

اس دور کی اہم شعری اصناف مثنوی کہلاتی ہیں۔ فیروز کی ایک مثنوی ''پرت نامہ''ملتی ہے۔ یہ مثنوی اس نے اپنے پیرومرشد شیخ ابراہیم مخدوم کی مدح میں لکھی ہے۔مثنوی یوسف زلیخا کو دبستان گولکنڈہ کی پہلی ادبی کاوش کہا جا سکتا ہے۔احمد گجراتی محمد قلی قطب شاہ کے عہد کا شاعر اور وہ گجرات کا رہنے والا تھا۔احمد نے یہ مثنوی محمد قلی کے دربار میں پیش کی تھی۔فنی اور ادبی اعتبار سے یوسف زلیخا ایک اہم مثنوی ہے۔اس میں احمد نے سراپا نگاری' کردار نگاری' جذبات نگاری اور منظر نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔اس میں عہد قلی کی جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔

''قطب مشتری'' دبستان گولکنڈہ کی اہم مثنوی ہے۔اس کا موضوع قلی اور بھاگ متی کی داستان عشق ہے مگر اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے وجہی نے بھاگ متی کو مشتری کا نام دیا ہے اور اسی مناسبت سے مثنوی کا نام بھی قطب مشتری رکھا ہے۔غواصی دبستان گولکنڈہ کا ایک ممتاز شاعر ہے۔اس کی تین مثنویاں ''میناں ستونتی' سیف الملوک وبدیع الجمال اور طوطی نامہ'' ہیں۔ میناستونتی کا قصہ ایک قدیم ہندوستانی قصہ ہے جو ساتویں ہجری میں بے حد مقبول ہو چکا تھا۔اس قصہ کو غواصی نے دکنی مزاج اور روپ میں ڈھال دیا ہے۔''سیف الملوک و بدیع الجمال'' یہ مثنوی دکنی مثنویوں میں اظہار بیان کی سادگی کی بدولت ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ یہ مثنوی سلطان محمد قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئی اور عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں پیش کی گئی۔

طوطی نامہ کا قصہ قدیم زمانے کی مشہور سنسکرت تصنیف (طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں) کے فارسی ترجمے پر مبنی ہے۔''پھولبن'' دبستان گولکنڈہ کا ایک زبردست فنی کارنامہ ہے۔ابن نشاطی قطب شاہی عہد کا ایک قدآور شاعر ہے اس نے پھول بن کی بنیاد ایک فارسی قصے مینی ہے۔ یہ مثنوی محض ترجمہ ہی نہیں بلکہ اس میں ابن نشاطی کی فنکارانہ صلاحیتیں مقامی ماحول کا عکس پیش کرتی ہیں۔اس مثنوی کا موضوع عشق ہے مگر جو چیز پڑھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے وہ انداز بیاں کی سادگی اور جزئیات نگاری کا کمال ہے۔

عبداللہ قطب شاہی عہد کی مثنویوں میں احمد جنیدی کی مثنوی ماہ پیکر قابل ذکر ہے۔اس میں اس نے قطب شاہی عہد کی تہذیب و معاشرت کی کامیاب تصویریں پیش کی ہیں۔قطب شاہی سلطنت کے آخری تاجدار ابوالحسن تانا شاہ کے عہد کی مثنویوں میں طبعی کی ''بہرام وگل اندام'' ایک اہم مثنوی ہے۔اس میں بہرام کی پیدائش اور اس کے زمانہ بادشاہت تک کی مختلف مہمات اور فتوحات کا حال پیش کیا گیا ہے۔قصہ کی ترتیب، واقعات کی متحرک تصویریں اور مناظر کی دلکش عکاسی نے اس مثنوی کو ایک بہترین مثنوی بنا دیا ہے۔یہ مثنوی ایک ہزار تین سو چالیس اشعار پر مشتمل ہے۔اس کو طبعی نے چالیس دن میں مکمل کیا۔ایاغی کی ''نجات نامہ'' (۱۰۸۰ھ) سیوک کا ''جنگ نامہ'' (۱۰۹۲ھ) بھی قابل ذکر ہیں۔

(۲) قصیدہ :

قصیدہ 'قصد' سے مشتق ہے جس کے معنی 'ارادہ' کے ہیں۔یہ نظم ایک ارادے کے تحت لکھی جاتی ہے۔قصیدہ شاعر کسی شخص کی تعریف وتوصیف یا تضحیک وہجو کے مقصد سے لکھتا ہے۔اس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ پایا جاتا ہے۔جبکہ بقیہ اشعار میں صرف مصرعہ ثانی میں قافیہ پایا جاتا ہے۔خدا کی حمد یا نعت رسول ﷺ کے موضوع پر لکھے گئے قصیدے حمد یا نعتیہ قصیدے کہلاتے ہیں۔ کسی بادشاہ یا وزیر کی شان پر لکھے گئے قصیدے، مدحیہ قصیدے اور کسی کی تضحیک میں لکھے گئے قصیدے ہجویہ قصیدے کہلاتے ہیں۔ قصیدے کی اصل شناخت اس کی ہیئت اور اجزائے ترکیبی سے متعین ہوتی ہے۔

قطب شاہی دور کی ابتدائی مثنویوں میں بھی مدحیہ اشعار پائے جاتے ہیں۔احمد گجراتی کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کی مدح میں اشعار ملتے ہیں۔اسی طرح سلطان محمد قلی قطب شاہ جو خود ایک بہترین شاعر تھا اور جسے اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔اس کی مدحیہ نظمیں بھی قصیدہ کی تعریف پر کسی حد تک پوری اترتی ہیں۔عید میلاد النبی پر کہی گئی اس کی نظم میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ کی مدح میں خوبصورت اشعار ملتے ہیں۔اس کی نظم ''عید نوروز'' بھی ایک مدحیہ نظم ہے۔جو قصیدہ کی تعریف پر پوری اترتی ہے۔وہ اس نظم میں اسے حاصل عیش وآرام اور فتح وکامرانی کو اپنے نبیؐ اور علیؓ کا کرم قرار دیتا ہے اور بڑے دلکش اور موثر پیرائے میں اس کا اظہار کرتا ہے۔اسی طرح ''بسنت'' میں وہ مناظر فطرت کی دلکش عکاسی کرتا ہے۔

محمد قلی کے بعد اس کے نواسے سلطان عبداللہ قطب شاہ کے ہاں بھی مدحیہ شاعری ملتی ہے۔اس میں مذہبی رنگ، آہنگ کے علاوہ بسنت، مرگ، ٹھنڈ کا لا پر بھی نظمیں شامل ہیں۔عبداللہ قطب شاہ نے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے باغ شاہی کی طرح عشرت محل نامی محل سے متعلق ایک مدحیہ نظم لکھی۔غواصی کو مدح نگاری میں غیر معمولی شہرت حاصل تھی۔اس نے سب سے زیادہ قصائد لکھے، قصیدے کے عناصر یا اجزائے ترکیبی کا بھی خیال رکھا یعنی تشبیب، گریز، مدح اور دعا وغیرہ۔غواصی، عبداللہ قطب شاہی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔اس کے سبھی قصیدے عبداللہ قطب شاہ کی مدح میں ہیں جب کہ ایک قصیدہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہے اور ایک قصیدے میں اس نے مناجات کے مضامین درج کئے ہیں۔غواصی کے قصیدوں کی خصوصیت اس کی سادگی، روانی، رفعت خیال، زور بیان اور اثر آفرینی نظر آتی ہیں۔

(۳) مرثیہ

مرثیہ اردو کی ایک مقبول صنف سخن رہی ہے۔ مرثیہ ایک عربی لفظ رثا سے مشتق ہے۔ جس کے معنی 'میت پر رونے' کے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ صنف واقعات کربلا کے ذکر سے مخصوص ہوکر رہ گئی۔ بقول نصیرالدین ہاشمی ''ان کا اصل مقصد حضرت امام حسینؓ اور اہل بیت رسالت کا غم والم تازہ کرنا اور ان کی یاد میں آنسو بہانا تھا۔ فرد مرثیوں میں ادبی شان بھی پائی جاتی ہے اور واقعہ نگاری اور مرقع نگاری کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اردو دیگر اصناف کی طرح مرثیہ کا آغاز بھی دکن ہی میں ہوا۔ شاہ اشرف بیابانی کی نوسرہار کو اردو کا پہلا مرثیہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے بعد شاہ برہان الدین جانمؒ شاہ راجو' محمد قلی قطب شاہ' غواصی اور وجہی کے نام آتے ہیں جنہوں نے مرثیے لکھے۔

قطب شاہی عہد کے ایک اہم شاعر احمد گجراتی کے ہاں ایک مثنوی مصیبت اہل بیت ملتی ہے جو پوری طرح مرثیہ کے رنگ میں رنگی ہے۔ اس کے ایک مرثیے قصہ حضرت علی اکبر کا ذکر بھی ملتا ہے جو ۲۷۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ مثنوی کی ہیئت میں لکھے گئے اس مرثیے میں حضرت علی اکبر کی شہادت کا ذکر تفصیل سے اور سلسلہ وار طور پر کیا گیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ نے مرثیہ نگاری کو اپنے عروج پر پہنچایا۔ ان مرثیوں میں اس کی مذہبی عقیدت اور جذباتی وابستگی صاف جھلکتی ہے۔ اسی وجہ سے قلی قطب شاہ کے مرثیوں میں اثر آفرینی کا عنصر بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ روایت ہے کہ وہ مجالس میں اپنے مرثیے خود پڑھ کر سناتا تھا ۔ قطب شاہ کے ہاں بھی چار مرثیے ملتے ہیں۔

(۴) غزل

غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صنف سخن ہے۔ عورتوں سے گفتگو یا عورتوں کی گفتگو کو غزل کہا جاتا ہے یعنی غزل کا تعلق حسن پرستی یا عشق مجازی سے ہوتا ہے اس کے علاوہ غزل کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ ''عربی میں قصیدے کی تمہید کو تشبیب یا نسیب کہا جاتا ہے اور جس تشبیب میں محبوب کا سراپا بیان کیا جائے اسے غزل کہا جاتا ہے۔''

غزل کا آغاز بھی دکن ہی میں ہوا۔ بہمنی دور میں بھی اردو غزلیں ملتی ہیں۔ قطب شاہی عہد میں غزل کے اولین نمونے فیروز' خیالی' شیخ احمد گجراتی اور حسن شوقی کے ہاں ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ خود محمد قلی قطب شاہ' وجہی' عبداللہ قطب شاہ اور غواصی کے ہاں بھی خوبصورت غزلیں ملتی ہیں۔ حسن شوقی اور محمد قلی قطب شاہ کی غزل کو فنی و تخلیقی سطح پر اردو غزل کی تعریف پر پوری اترتی ہے۔

دکن میں غزل کا آغاز فارسی کے زیر اثر ہوا لیکن قطب شاہی عہد کے شعراء پر فارسی کی بجائے ہندی اثرات زیادہ نظر آتے ہیں۔ ان شعراء نے غزل کا ڈھانچہ یا ہیئت تو فارسی سے اخذ کی لیکن زباں و بیان اور مضامین مقامی تہذیب و معاشرت سے لئے۔ محبوب کی سراپا نگاری ہو' جذبات و کیفیات عشق کا اظہار ہو یا معاملات عشق کا بیان سب میں مقامی رنگ جھلکتا ہے۔ دکنی تہذیب و معاشرت کی غزل کی فضاء کو معطر اور تاثر کو دوبالا کردیتی ہے۔

فیروز کی غزل میں فارسی زبان' لہجہ اور رنگ و آہنگ پایا جاتا ہے۔ محمود کی غزلوں میں یہ لہجہ اور رنگ و آہنگ زیادہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ فیروز کی طرح محمود بھی شمالی ہند کا سفر کرچکا تھا اسی لئے اس کی زبان پر شمالی ہند کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ محمود ایک قادرالکلام شاعر تھا اور اس نے اردو کے علاوہ فارسی' افغانی اور پنجابی میں بھی شاعری کی۔ اسی عہد میں ملا خیالی بھی غزل کا اہم شاعر ہے جس کے ہاں غزل کی ہیئت

اور بنت پورے عروج پر ہے۔محمد قلی قطب شاہ نے تقریباً تمام اصناف میں شاعری کی لیکن غزل اس کا عشق اول ہے اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ بھی۔غزل سے اسے لگاؤ اس لئے ہے کیونکہ غزل کا موضوع عشق ہے اور قلی قطب شاہ کے لئے شاعری کا اصل محرک عشق ہے۔عبداللہ قطب شاہ کے ہاں بھی غزل اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔

8.3.4 قطب شای دور کی نثری اصناف

محمد قلی قطب شاہ کا دور اپنی ادبی سرگرمیوں، علمی کاوشوں اور فنی وتخلیقی کاموں کی وجہ سے ہمیشہ یادگار رہے گا۔اسی دور میں عبارت خانے، کتب خانے اور مدرسے قائم ہوئے۔عبداللہ کے دور میں بہت سے نامور شاعر اور نثر نگار پیدا ہوئے جن میں غواصی، ابن نشاطی، جنیدی، طبعی، میراں جی، حسن خدانما، میراں یعقوب، سید بلاقی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

گولکنڈہ میں نثر نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔نثری نگای میں جانم کی 'کلمۃ الحقائق' کو اہمیت حاصل ہے لیکن گولکنڈہ کی پہلی نثری تصنیف ''سب رس'' آج بھی تاریخی اعتبار سے اردو نثر کا شاہکار مانی جاتی ہے۔سب رس میں ادبیت بھی ہے اور فنکار کا وہ شعوری عمل بھی جو کسی تحریر کو ادب بناتا ہے۔پہلی بار خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی فارسی تصنیف 'شرح تمہیدات ہمدانی' کے اردو ترجمے میں نثر کے الگ وجود کا احساس دلاتا ہے۔میراں یعقوب کی کتاب 'شمائل الاتقیاء' میں نثر نے وہ کام کیا جو نظم کے ذریعہ ممکن نہیں تھا۔ترجمہ کیا بلکہ تصوف اور شریعت کی اصطلاحات کو بھی اردو کا جامہ پہنادیا۔

سب رس ملا وجہی کی وہ پہلی کتاب ہے جس میں ادبی شان اور حسن کاری کی شعوری کوششیں ملتی ہیں۔وجہی نے عبداللہ قطب شاہ کے عہد ۱۰۴۵ھ میں اس کو مرتب کیا۔یہ تصوف کی ایک بہترین کتاب ہے۔سب رس میں دکنی زبان کو اردو سے ملانے کی کوشش کی ہے۔

(۱) شرح تمہیدات ہمدانی

شرح تمہید ہمدانی ایک تصوف کی کتاب ہے جسے میراں جی خدانما نے لکھا ہے۔جو امام غزالی کے بھائی شیخ احمد کی تصنیف کا ترجمہ ہے۔تمہیدات ہمدانی عربی زبان کی مشہور تصنیف ہے جسے ابوالفضائل عبداللہ بن محمد عین القضاء ہمدانی ۵۵۳/۱۱۳۸ء نے لکھا تھا۔اس کتاب میں شرع وعقائد اور تصوف کے مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا تھا۔خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے (م ۸۲۵ھ/۱۴۲ع) نے تقریباً ۳۰۰ رسال قبل فارسی میں اس شرح کو لکھا تھا۔جو اس زمانے میں صوفیائے کرام اور اہل علم حضرات میں کافی مقبول ہوئی تھی۔

شاہ میراں جی نے گیسو دراز کی اس شرح کو دکنی اردو میں ترجمہ کیا تھا۔شرح تمہیدات ہمدانی (۱۰۶۶ھ) کا دکنی ترجمہ اصل فارسی شرح کے مطابق ہے۔کتاب میں سلوک ومعرفت کے مسائل کی تشریح قرآن حدیث اور شرع کی روشنی میں کی گئی ہے۔شرح تمہیدات ہمدانی کے ترجمے کو دیکھنے پر اس میں فارسی اسلوب کا رنگ وآہنگ نظر آتا ہے۔فارسی زبان کے اثر کی وجہ سے ترجمے میں سادگی پیدا ہوگئی ہے۔

تمہیدات ہمدانی عربی کی ایک بہت مشہور کتاب ہے۔اس کتاب میں شرع، فقہی اور تصوف کے مسائل کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کے گئے ہیں۔ہ یہ کتاب فارسی میں تھی اسی لئے عام لوگ اس کتاب کو سمجھنے سے قاصر تھے۔اس لئے اس کا ترجمہ جب اردو زبان میں ہوا تو اس کے مطلب کو لوگ آسانی سے سمجھ سکے۔اس میں دکنی ترجمہ دس ابواب پر مشتمل ہے جس میں توحید باری تعالی، پیر ومرشد، عالم مسعمد، شناختن حق، شناخت روح، شناختن عشق، شناخت مقصود، قرآن بیان کفر اور بیان فرض مقصود کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔پوری کتاب کا

مطالعہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ شریعت وطریقت بنیادی طور پر ایک ہیں۔قرآن حدیث اور شرع کی روشنی میں ساری کتاب لکھی گئی ہے۔

(۲) چہار وجود

میراں جی حسین خدانما کی ہی یہ تصنیف ہے جس میں انہوں نے مخصوص فلسفے کی سوال وجواب کی شکل میں تشریح کی۔اس رسالے میں خدانما نے تصوف امیتہ کے بنیادی تصورات کو واضح کیا ہے۔جس پر بہت سارے رسالے لکھے گئے ہیں اس کتاب کے مطالعے سے تصوف امیتہ کے بارے میں معلومات ہوتی ہے۔

(۳) شمائل الاتقیار

قطب شاہی دور کے اہم نثر نگار میراں یعقوب نے شمائل الاتقیار یہ تصنیف لکھی۔یہ کتاب تصوف میں برہان الدین اولیاء اورنگ آبادی کی لکھی ہوئی ہے۔اس کا ترجمہ میراں یعقوب نے کیا۔یہ کتاب تصوف پر لکھی گئی ہے۔اس کو چار قسم اور نوے بیاں میں تقسیم کیا گیا ہے۔توبہ،عمل حیدہ،ہدایت وارشاد،معجزہ وکرامت،حکمت بیعت،درحکم مرید،آداب مرید،حکم نماز،علمانیک،استقامت وغیرہ عنوانات دیئے گئے ہیں۔

شمائل الاتقیار چونکہ ترجمہ ہے اس لئے موضوع سے زیادہ اس کے طرز کو اہمیت حاصل ہے۔ترجمے میں کہیں کہیں مصنف نے اپنی بات واضح طور پر لکھنے کے لئے چند جملوں کا اضافہ کیا ہے۔اضافہ کرنے کے باوجود بھی اصل بات کی اہمیت ختم نہیں ہوئی بلکہ وہ اور دلچسپ اور رنگین ہوجاتی ہے۔ان جملوں کی وجہ سے ہی شگفتگی کا احساس ہوتا ہے۔شمائل الاتقیار کی نثر اتنی سادہ اور غیر شاعرانہ ہے کہ وہ پہلی بار نثر کے الگ وجود کو ظاہر کرتی ہے۔قدیم دور میں نثر اور شاعری کو الگ کرنا ممکن نہیں تھا لیکن شمائل الاتقیار اس مقصد کو پورا کرتی ہے۔یہ نثر سادہ بھی ہے اور روزمرہ کی زبان جیسی بھی ہے۔شمائل الاتقیار میں میراں یعقوب نے صرف فارسی اشعار کا اردو میں ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ تصوف اور شریعت کی تعریفات کو بھی اردو میں پیش کیا۔

(۴) سب رس

ملا وجہی کی سب رس وہ پہلی کتاب جس میں ادبی شان اور حسن کاری کی شعوری کوشش ملتی ہیں۔قطب مشتری مثنوی ہے اور سب رس نثر کی کتاب ہے۔سب رس اردو نثر کی پہلی کتاب ہے جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئی۔سب رس میں وجہی نے اپنے خیالات کو داستان کے روپ میں پیش کیا۔داستانوی لحاظ سے سب رس قابل قدر حد تک کامیاب ہوئی۔داستان کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔اور پوری کہانی ایک مرکزی خیال کے اردگرد گھومتی نظر آتی ہے۔سب رس کو ایک کامیاب تمثیل قرار دیا گیا ہے۔

ایک داستان ہونے کے باوجود ''سب رس'' کے قصے میں ملا وجہی نے حسن واخلاق کی بے شمار خصوصیات کو شامل کیا ہے۔اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قصۂ حسن ودل کی تحریر کا مقصد انسان کے اخلاق میں سدھار لانا ہے۔سب رس میں آب حیات کی تلاش کے قصے کو تمثیلی پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔سب رس ملا وجہی کی طبع زاد داستان نہیں ہے۔سب رس ایک داستاں ہونے کے باوجود اس داستاں کی نثر میں چھوٹے چھوٹے انشائیہ کا لطف پیدا کرتی ہے۔وجہی زبان اور اسلوب بیان پر دسترس رکھنے والا ایک نثر نگار ہے۔جس نے اپنی نثر میں فصاحت اور بلاغت کے بے مثال نمونے پیش کر کے دلوں کو جیت لیا۔سب رس اردو داستانوں میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

8.3.5 قطب شاہی دور کے اہم نثر نگار

(۱) میراں جی حسن خدانما:

عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں جمادار کے عہدے پر فائز تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کو ان پر بہت اعتماد تھا۔ ان کی دیانت داری اور فرض شناسی کی وجہ سے بادشاہ کو اُن پر بہت اعتماد تھا۔ ایک دفعہ کس کام سے وہ بیجاپور گئے وہاں سے واپسی میں آپ کی ملاقات امین الدین اعلیٰ سے ہوئی۔ امین الدین اعلیٰ نے ایک سوال کیا کہ پتھر کیا کہتا ہے تو خدانما نے یہ جواب دیا کہ یہ پتھر یہ کہتا ہے کہ جو امین الدین تھا وہ خدا ہوا جو خدا تھا وہ امین الدین ہوا۔ اِس جواب سے امین الدین بہت متاثر ہوئے اور خدانما کو فنا الشیخ کا درجہ دیا۔ حیدرآباد واپس آکر میراں جی نے شاہی ملازمت چھوڑ دی اور یاد الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ اُسی زمانے میں انہوں نے اپنے خیالات کی اشاعت اور تبلیغ کے لیئے چند رسالے تالیف و ترجمہ کیئے جن میں 'چہار وجد' 'شرح تمہیدات، ہمدانی اور رسالہ فربیہ، قابل ذکر ہیں۔ 'چہار وجود' میں خدانما نے سوال اور جواب کی شکل میں تصوف کے مخصوص فلسفے کی تشریح کی جو جانم اور اعلیٰ کے سلسلے کے ساتھ مختص ہیں اس رسالے میں خدانما نے تصوف امینیہ کے تمام بنیادی تصورات کو یکجا کر دیا ہے۔ جس پر متعدد رسالے لکھے گئے ہیں۔

(۲) مولانا عبداللہ

مولانا عبداللہ سے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں لیکن اُن کی کتاب احکام الصلوٰۃ دستیاب ہے جو چھوٹی تقطیع پر خط شخ میں لکھی ہوئی ہے جس کو مولانا نے ۱۰۳۲ھ میں مرتب کیا تھا۔ اِس کتاب میں نماز کے متعلق سے بیان درج ہیں۔ اِس کو مختصراً فقد حنفی کہا جاسکتا ہے۔ مصنف نے اس کو فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔

(۳) اسداللہ خاں وجہی

قطب شاہ کے دربار کا ملک الشعرا تھا اور فارسی کا شاعر بھی تھا اردو شاعری اور نثر میں بھی اس نے اپنے فن کے کمال کو ظاہر رکھا۔ وجہی کے مطابق ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ صرف دوسرے دکنی شعرا کی طرح صرف دکنی معاصرین سے اپنے مقابلہ نہیں کرتا تھا بلکہ سارے ہندوستان کے شعرا سے کرنا تھا۔ سب رس میں بھی وہ اپنی زبان کو زبان ہندوستان کہتا ہے۔ وجہی کی کئی تصانیف یادگار ہیں۔ دیوان وجہہ (فارسی کا مخطوطہ کتب خانہ سرسالار جنت میں محفوظ ہے۔ مثنوی قطب مشتری اور نثر میں سب رس مشہور ہیں۔

(۴) میراں یعقوب

میراں یعقوب نے خدانما سے فیض تربیت حاصل کی تھی۔ شمائل الاتقیا کی تصنیف آپ نے ہی تحریر کی۔ یہ کتاب تصوف میں برہان الدین اولیا اورنگ آبادی کی لکھی ہوئی ہے اسکا ترجمہ اسی نام سے میراں یعقوب نے کیا ہے۔ میراں یعقوب ایک صوفی بزرگ تھے۔ سیّد میراں حسینی چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سید میراں حسینی خدانما کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ سیّد میراں حسینی کے فرزند سیّد امین الدین تھے۔ سیّد امین الدین کی فرمائش پر میراں یعقوب نے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب تصوف میں لکھی گئی ہے اس کو چار قسم اور نوے بیاں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ توبد، عمل حیدہ ہدایت وارشاد، معجزہ وکرامت، حکمت بیعت درحکم مُرید، آداب مرید، حکم نماز

علماء نیک استقامت وغیرہ عنوانات قائم کیئے ہیں۔شمائل الاتقیا چونکہ ترجمہ ہے اس لیئے موضوع سے زیادہ اس کے اسلوب کو اہمیت حاصل ہے۔اصل اور ترجمہ کو ملایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کہیں کہیں وضاحت کے لیئے اپنی طرف سے چند جملوں کا اضافہ کیا ہے تا کہ عبارت کا مطلب پورے طور سے پڑھنے والے تک پہنچے ان اضافوں کے انداز بیان میں دلچسپ بات یہ ہے کہ میراں یعقوب کے اظہار میں سادگی کے ساتھ ساتھ رنگینی بھی شامل ہوگئی ہے۔

(۵) عابدشاہ

عابدشاہ قطب شاہی دور کے صوفی بزرگ تھے آپ کا نام نواب الدین تھا۔شاہ راجو حسینی کے مرید تھے یہ راجو حسینی وہی بزرگ تھے جو سلطان ابوالحسن تاج شاہ کے مرشد تھے۔عابدشاہ شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی آپ کی ایک کتاب جو گلزار السالکین، کے نام سے موسوم ہے جو نظم ہے۔نثر کی کتاب کنز المومنین ہے یہ کتاب فقہ حنفی کے مسائل پر مشتمل ہے اس کی ترتیب کے عابدشاہ نے ۱۵۳ کتابوں سے مدد لی۔کنز المومنین کی تصنیف ۱۰۹۰ء کے بعد ہوئی ہے کنز المومنین کی عبارت کا نمونہ پیش ہے۔

(۶) سلطاںؔ

شاہ سلطان ایک شاعر کے علاوہ ایک نثر نگار بھی تھے آپ کی نثر بھی ہمدست ہوتی ہے جو دارالاسرار سے موسوم ہے اور تصوف میں لکھی گئی ہے اسکا ایک مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو میں موجود ہے۔

8.4 خلاصہ

قلی قطب شاہ کی پیدائش ۱۵۶۶ء میں ہوئی۔جب دکن کی فیصلہ دکن کچن گ (تال کوٹ) رام راج اور دکن کے مسلم ریاستوں کے مشترکہ لشکروں کے درمیان ہوئی اور بہمنی سلطنت جب زوال پذیر ہوئی تو اس کے بعد دیگر اور پانچ سلطنتیں قائم ہوئی جن میں گول کنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتیں ہیں۔جن پر اردو کے حوالے سے نگاہ پڑھتی رہی ہے کہ گول کونڈہ کے قطب شاہی سلطنت کی بنیاد سلطان قلی قطب شاہ ڈالی تھی۔قلی قطب شاہ کے دور میں ہی ہندوستان میں ہی علوم وفنون کو ترقی حاصل ہوئی۔قلی قطب شاہ کے دور میں سب سے اہم شعرا جن میں ملاء وجہی، احمد گجراتی، قلیقطب شاہ، غواصی، اور ابوالحسن تاناشہ، وغیرہ نے شاعرہ میں اپنا اہم مقام بنایا ہے۔جن میں سب مشہور شاعر ملاء وجہی ہے۔ملاء وجہی کا اسد للہ اور تخلص وجہی تھا ان کی شاعری قطب شاہ کے عہد سے ہی شروع ہوئی اور انھی ہی کے زمانے میں یہ ایک مثالی شاعر بن گئے تھے۔ملاء وجہی کی اہک اہم شعری تخلیق ''قطب مشتری'' لکھی ہوئی ہے۔اور ان کی دوسری اہم کتاب جو سب سے زیادہ مشہور ومعروف ہوئی جس کا نام ''سب رس'' اسی کی وجہ سے وجہی کو بلند مقام عطا ہوا۔

غواصی بھی قلی قطب شاہ کے عہد میں ایک مشہور شاعر ہوگزرے ہیں۔انھوں نے اپنی تصنیف ''سیف الملوک'' کیے نام سے لکھی۔اور ساتھ ساتھ آج دنیاں جو داستان کے نام سے جانتی جس کا نام ''الیف لیلیٰ'' ہے یہ داستان کو آزادانہ طور پر غواصی نے ہی اپنے طور پر ڈھالا ہے۔ساتھ ہی ساتھ غواسی نے اپنی تیسری تصنیف ''طوطی نامہ'' کے نام سے لکھی۔جو شاعری دنیا میں اپنا اہم ایک مقام رکھتی ہے۔قلی قطب شاہ کے زمانے میں ایک اور مشہور ہوگذرے ہیں جن کا نام احمد گجراتی ہے۔احمد گجراتی نے بھی کئی غزلیں،

نظمیں، اور مثنویاں لکھی۔ جن میں ان کی دو مثنوعیاں بہت ہی مشہور ہوئی جان کا نام ''یوسف ذلیخا'' اور ''لیلی مجنوں'' ہے۔ ان دو مثنویاں کی وجہ سے ہی احمد گجراتی شہرت حاصل ہوئی۔ قطب شاہی دور کا اہم شاعر ابن نشاطی بھی ہے جنھوں نے ''پھول بن'' مثنوی تصنیف کی۔۔ قطب شاہی کا ایک مشہور شاعر جس کا نام فیروتھا۔ یہ اس دور کا پہلا شاعر کہلاتا ہے۔

قطب شاہی دور اردو نثر و نظم کی ابتدائی تاریخ کا اہم دور ہے۔ اس دور میں مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور غزل نے نمایاں اصناف ادب کے طور پر اپنے آپ کو منوایا۔ مثنوی جسے عرف عام میں منظوم داستان بھی کہا جاتا ہے۔ قطب شاہی دور میں ایک مقبول صنف سخن کے طور پر ابھری۔ اس دور کی مثنویوں میں مدحیہ مضامین، رثائی مضامین اور غزلیہ موضوعات بھی پائے جاتے ہیں۔ ملا خیالی، فیروز محمود، وجہی، غواصی، ابن نشاطی، خوشنود، محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ قطب شاہ، طبعی غرض ہر اہم شاعر نے مثنوی لکھی۔ وجہی کی ''قطب مشتری''، غواصی کی ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' اور ابن نشاطی کی ''پھول بن'' اس دور کی اہم مثنویاں ہیں۔ قصیدہ اگر چیکہ اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور اس کے خدوخال واضح نہیں ہو سکے تھے لیکن اس دور میں چند قصائد بھی ملتے ہیں۔ اس دور کے اہم قصیدہ گو شعراء میں احمد گجراتی، قلی قطب شاہ اور غواصی کا شمار ہوتا ہے۔ مرثیہ اس دور کی درباری و معاشرتی زندگی کا جز تھا۔ اس دور کے ہر اہم شاعر کے ہاں مرثیہ پایا جاتا ہے۔ غزل قطب شاہی دور کی مقبول ترین صنف سخن تھی اور ہر اہم شاعر نے اس میں طبع آزمائی کی۔ اس دور کی غزل کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر طرح سے غزل کی ہیئت، موضوعات اور اسلوب کی سطح پر پوری اترتی ہے۔ قلی قطب شاہ اور حسن شوقی اس دور کے اہم ترین غزل گو شعراء ہیں جو ولی کے فوری پیش رو بھی ہیں۔

قطب شاہی دور میں نثر کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ آج جن موضوعات کو ہم نثر میں ادا کرتے ہیں۔ وجہی نے یہ کوشش کی کہ وہ نثر کو نثر کی طرح لکھے۔ پہلی بار خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی فارسی تصنیف شرح تمہیدات ہمدانی کے اردو ترجمے میں نثر کے الگ ایک وجود کے احساس کو جگایا ہے نثر جب آگے بڑھی اور میراں یعقوب تک پہنچی تب یہاں نثر کا ایک الگ رنگ اور مزاج دیکھنے ملا یہاں عبارت ایکدم سادہ ہوگئی اور اس میں نثریت کا رنگ بھی کافی گہرا ہو گیا۔ شمائل الاتقیار میں نثر نے وہ کام کیا جو نظم بھی نہ کر سکی۔ شرح تمہیدات کے ترجمے سے یہ بات سامنے آئی کہ فلسفہ تصوف کے لئے ہی مختص نہیں ہے۔ اس دور میں فارسی کے بجائے اردو میں لکھنے کا رواج عام ہوا فارسی کے ذریعہ معاشرے کی اکثریت تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اردو وہ واحد زبان تھی جو نہ صرف چاروں طرف بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ میراں یعقوب نے بھی شمائل الاتقیار کو اردو میں لکھا تا کہ عوام اس کو سمجھ سکیں۔

8.5 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

(۱) قطب شاہی دور کا تاریخی پس منظر بیان کیجیے؟

(۲) قطب شاہی دور کے اہم نثر نگاروں کے نام بتا کر ان کی تصانیف کا جائزہ لیجیے؟

(۳) قطب شاہی دور میں دکنی اردو پر تبصرہ کیجیے؟

(۴) قطب شاہی دور کی شعری اصناف تحریر کیجیے؟

(۵) قطب شاہی دور میں نثر کا ارتقاء کس طرح ہوا؟ واضح کیجیے۔

(۶) قطب شاہی دور میں صوفیائے اکرام کی ادبی خدمات بیان کیجیے؟

(۷) ملاء وجہی، غواصی، ابن نشاطی کے ادبی کارنامے بیان کیجیے؟

8.6 فہرہنگ

الفاظ	معنی
میسر :	جو چیز آسانی سے مل سکے، دستیاب،
قدیم	پرانا
فروغ	ترقی
جدید	نیاء
قبل	پہلے
صنف	قسم
خادم	خدمت کرنے والا

8.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) جین گیان چند۔ تاریخ ادب اردو۔ دلی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

(۲) وہاب اشرفی۔ تاریخ ادب اردو۔ جلد اول ابتدا سے جلد اول ۲۰۰۰ء تک۔

(۳) ہاشمی نصیرالدین۔ دکن میں اردو نئی دلی' ترقی اردو بیور

(۵) ہاشمی نصیرالدین دکن میں اردو۔ نئی دلی۔ ترقی اردو بیورو

(۶) جمیل جالبی تاریخ ادب اردو جلد اول۔ دلّی۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

☆☆☆☆☆☆

اکائی ۹ : عادل شاہی دور کی ادبی خدمات

اکائی کے اجزاء

9.1 مقاصد
9.2 تمہید
9.3 موضوعات
9.3.1 عادل شاہی دور کا تاریخی پس منظر
9.3.2 عادل شاہی دور میں دکنی اردو
9.3.3 عادل شاہی دور کے ادب کا جائزہ
9.3.4 عادل شاہی دور کے اہم شعراء اکرام
9.3.5 عادل شاہی دور کی شعری اصناف سخن
9.3.6 عادل شاہی دور میں نثر کا ارتقاء
9.3.7 عادل شاہی دور کے اہم نثر نگار
9.4 خلاصہ
9.5 نمونے کے امتحانی سوالات
9.6 فہرہنگ
9.7 شفارش کردہ کتابیں

9.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلباء۔۔۔

☆ عادل شاہی دور کا تاریخی پس منظر اور اردو ادب کا جائزہ لے سکیں گے۔

☆ عادل شاہی دور میں دکنی اردو اور اہم شعراء اکرام سے واقف ہو سکیں گے۔

☆ عادل شاہی دور کی شعری اصناف سخن کا جائزہ لے سکیں گے۔

☆ عادل شاہی دور میں نثر نگاری کا ارتقاء کسطرح ہوا؟ یہ بتاء سکیں گے۔

☆ عادل شاہی دور کے اہم نثر نگار اور ان کی خدمات سے واقف ہو سکیں گے۔

9.2 تمہید

اس اکائی میں دکنی بادشاہ سلطان عادل شاہ کے دور پر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔اس میں عادل شاہی عہد کا تاریخ پس منظر، جس میں کس طرح یہ سلطنت وجود میں آئی۔عادل شاہ کا خاندان،ان کے بھائی،اور دیگر بادشاہوں نے کس طرح حکومت کی۔اس حکومت کے پرے دوسوسالہ حکومت کا پس منظر بتایا گیا ہے۔اس کے علاوہ عادل شاہی دور پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں شعراء،ادیبوں کی دستگیری اور سرپرستی کس طرح ہوئی اس کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔عادل شاہی دور میں دکنی شاعری کو بڑی ترقی ہوئی۔خود سلطان علی عادل شاہ اور عادل شاہی دور کے بہت سے حکمران شاعر تھے۔اس لیے انھوں نے زیادہ تر حکومت میں علم و ہنر پر توجہ دی تھی۔

عادل شاہی دور علم و ہنر کا مرکز تمدن اور تہذیب کا گہوارہ تھا۔اس دور کے اہل علم وفن یہاں کی قدردانی کا شہرہ سُن کر آئے اور اپنی محنت کا صِلہ پا کر نہال ہو جاتے۔یہاں کے چشمہ ہائے فیض کی آبیاری خمستانِ علم وفضل سرسبز وشاداب تھے۔شعروسخن نے خوب ترقی کی۔ان حکمرانوں کے دور کے صنف شاعری کے تعداد اقسام مثلاً مثنوی،قصیدہ،غزل،رباعی،مرثیہ،گیت وغیرہ سب انہوں نے طبع آزمائی کی گئی۔اس کے علاوہ عادل شاہی دور کے نثر نگاروں میں شاہ میراں جی شمس العشاق،شاہ برہان الدین جانم،امین الدین اعلیٰ اور میراں یعقوب وغیرہ اہم نثر نگاروں کی ادبی خدمات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

9.3 موضوعات

9.3.1 عادل شاہی دور کا تاریخی پس منظر

بہمنی سلطنت کے زوال کے وقت عثمانیہ کا ایک شہزادہ عادل خان ایران سے دکن پہونچا اور کسی طرح بہمنی سلطنت کے شاہی چیلوں کے جرگے میں داخل ہو گیا۔شہزادہ نہایت ذہین تھا۔اپنی قابلیت کی بدولت ترقی کرتا چلا گیا۔محمود شاہ بہمنی کے دورِ حکومت میں خانہ جنگیاں شروع ہوئیں تو حالات بہت بگڑے اور بہمنی سلطنت کے مختلف صوبے آزاد ہونے لگے۔یوسف عادل شاہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔اور حکمران ہوتے ہی ضابطے کے مطابق اپنے نام کا خطبہ بھی پڑھوالیا اب وہ 'خان' نہیں تھا بلکہ بادشاہ ہو گیا۔عادل شاہی دور کے تاریخی پس منظر میں درج ذیل بادشاہ ہو گذرے ہیں۔

(ا) یوسف عادل شاہ

یوسف عادل شاہ عادل شاہی دور کا سب سے پہلا حکمران تھا۔عادل شاہی دور حکومت ۱۴۹۰ء سے ۱۶۸۸ء تھا۔ یوسف شاہ کے بعد دیگر نو بادشاہوں نے حکومت کی۔اس خاندان کے تقریباً دوسوسال تک حکومت کی۔اسکے بعد دوسوسال تک یکے بعد دیگر نو بادشاہ حکومت کرتے رہے یوسف عادل شاہ عادل شاہی دور کا پہلا حکمران تھا۔یوسف فنون لطیفہ سے وابسطہ تھے۔شعروشاعری کا اسے بچپن سے شوق تھا۔اپنے دربار میں ایران،عرب،روم،دور دراز سے ذی علم حضرات کو بلایا اور ان کی پذیرائی کی۔دوسرے سلاطین بھی اسکے نقش قدم پر چلتے رہے اور تقریباً ایک صدی تک بیجاپور علم وثقافت کا اہم مرکز رہا۔مصوری کو بھی فروغ ہوا۔اس زمانے میں وجئے نگر اپنے مصوروں پر بہت نازاں تھا ایرانی اور ترکی مصوری نے ان کے فن پر بھی اثرات ڈالے معماروں نے اپنی ہنرمندی دکھائی جس سے

نئے طرح کے آرائش اور فنکاروی ابھر گئی۔ یوسف عادل شاہ خودمختاری حاصل کرنے کے بعد اپنی سلطنت کو وسیع اور مستحکم کرنے میں مصروف رہا اکیس سال کی حکمرانی کے بعد ۱۵۰۵ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یوسف عادل شاہ اور اسکا جانشین اسمٰعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا۔

(۲) اسمٰعیل عادل شاہ

یوسف عادل شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا اسمٰعیل عادل شاہ سلطنت عادل شاہی کا حکمران ہوا۔ اس نے ۱۵۱۰ء سے ۱۵۳۴ء تک حکمرانی کی۔ اسمٰعیل عادل شاہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست تھا۔ وہ فارسی میں اچھے شعر کہتا تھا۔ علم پروری اور ذوق شعر اسے ورثے میں ملا تھا۔ وہ بھی شاعر تھا اور وفائی اس کا تخلص تھا۔ باپ کی طرح یہ بھی ذی علم لوگوں اور علماء وفصحا سے نہایت سیر چشمی سے سلوک کرتا تھا۔ غرض کہ شروع ہی سے علم وادب اور شعروشاعری کا مذاق عادل شاہی سلطنت کے بادشاہوں میں تھا۔ اسمٰعیل عادل شاہ نے تقریباً پچیس برس تک حکمرانی کی۔

(۳) ملّو عادل شاہ

اسمٰعیل عادل شاہ کے بعد اس کا بیٹا ملوّ عادل شاہ ۱۵۳۵ء میں تخت نشین ہوا۔ ملّو عادل شاہ عیش وطرب اور نشاط کا دلدادہ تھا۔ اس کی وجہ ملک میں بدتری پھیل گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے بھائی ابراہیم شاہ اول کو تخت نشین کیا گیا۔ ملّو عادل شاہ نے صرف چند ماہ حکومت کی تھی۔

(۴) ابراہیم عادل شاہ اول

ابراہیم عادل شاہ اسمٰعیل عادل شاہ کا بیٹا تھا۔ اس کا زمانہ ۱۵۳۴ء سے ۱۵۵۷ء تک تھا۔ یہ بھی موروثی ذوق وعلم وادب سے بہرہ مند تھا۔ ابراہیم کا تمام عہد حکومت جنگ وجدل میں گزرا۔ اس نے شعیہ مذہب ترک کر کے سُنی مذہب اختیار کیا۔ اس کی وجہ سے ایرانی اثر بھی کم ہوگیا۔ اور دکنیوں کو عروج حاصل ہوا۔ اس تبدیلی کا اثر زبان پر بھی پڑا۔ حکومت کی سرکاری زبان دکنی قرار دی گئی جو پہلے فارسی تھی۔ ابراہیم بڑا سخت گیر تھا۔ اپنے ظلم وستم کے باوجود علماء کی سرپرستی اور قدردانی کرتا تھا۔ خواجہ معین الدین آقا شہاب الدین شرروانی، خواجہ عنایت اللہ شیرازی وغیرہ اس کے عہد کے مشہور علماء تھے۔ اس کے زمانے میں شاہ برہان الدین جانم نے کئی رسالے دکنی زبان میں تحریر کیے۔ بہمنی دور حکومت میں شاہی دفتر ہندوی زبان میں کر دئے گئے تھے۔ یوسف عادل شاہ نے اپنے زمانہ حکومت میں ہندوی (قدیم اردو) ہٹا کر شاہی دفتر فارسی میں کروائے۔ لیکن ابراہیم عادل شاہ اوّل نے شاہی دفتر کو پھر سے اردو میں کر دیا تھا۔ ابراہیم عادل شاہ کے بعد علی عادل شاہ اوّل تخت نشین ہوا۔

(۵) علی عادل شاہ اوّل

ابراہیم عادل شاہ کے بعد علی عادل شاہ اوّل (۱۵۵۷ء تا ۱۵۸۰ء) تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانے میں بھی ادب وشعر کی سرپرستی بدستور قائم رہی۔ علی عادل شاہ ایک امن پسند اور صلح جو بادشاہ تھا وجیانگر کے راجہ رام سے رشتے قائم کئے۔ لیکن اس زمانے میں دکن

کے چار بادشاہوں نے متحد ہوکر وجیانگر کو فتح کرلیا۔علی عادل شاہ کے زمانے میں علم وفن کو بڑی ترقی ہوئی اسکو مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔سفر کے دوران چار صندوق کتابوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔اس کے دورِ حکومت میں حجاز،ایران،عراق اور آذربائیجان سے کئی علماء بیجاپور آئے تھے۔ان کی وجہ سے بیجاپور کی علمی سطح بلند ہوگئی۔اس نے بیجاپور کو عالموں اور فاضلوں کا مرکز بنانے کی خاطر بہت روپیہ خرچ کیا تھا۔اس کے زمانے میں ایک طرف تو علم وفنون کی ترقی ہوئی تو دوسری طرف اصحاب طریقت اور صاحبان رُشد و ہدایت کی وجہ سے اِرشادات و ہدایت کے ذریعے لوگوں کے اخلاق اور روحانی اصلاح ہوتی رہی۔اسے تعمیر سے بھی دلچسپی تھی۔اس نے دارالسلطنت بیجاپور میں کئی باغات بنائے نہریں نکالیں، عالیشان مسجد بنوائی اوراس مسجد کا نام غالب رکھا۔گگن محل، ہریا محل وغیرہ تعمیر کروائے۔ شہر بیجاپور کے اطراف فصیل بنوائی۔

ابراہیم عادل شاہ اوّل کے زمانے میں سرکاری زبان اردو ہوگئی تھی۔لیکن علی عادل شاہ نے پھر سے فارسی کو سرکاری زبان قرار دیا۔اسکے باوجود اردو کی ترقی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔اسکے عہد میں شاہ برہان الدین جانم کے کئی رسالے نظم اور نثر میں قلمبند کیے۔ علی عادل شاہ کو ایک غلام نے چاقو سے قتل کردیا۔بادشاہ کی شہادت کا اہل دربار کو بہت رنج ہوا۔اور قلمرو عادل شاہی میں بڑا سوگ منایا گیا۔ملّا رضا مہدی نے مرثیہ لکھا۔علماء وقت مرتضٰی خان،شاہ فتح اللہ،شہزادی میر شمس الدی اصفیانی،افضل خاں شیرازی نے بڑا ماتم کیا۔چونکہ علی عادل شاہ کو اولادِ نرینہ نہیں تھی اس لئے اسکے بھائی طہماسپ کے فرزند کو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے لقب سے تخت نشین کیا گیا۔

(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی

ابراہیم عادل شاہ ثانی (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۶ء) تخت نشین ہوا۔ابراہیم کی عمر تخت نشینی کے وقت صرف دس سال کی تھی۔اس لئے حکومت کی باگ دوڑ نائبین سلطنت کے ہاتھوں میں رہی۔کامل خان،کشور خان،اخلاص خان،اور دلاور خان، یکے بعد دیگرے نائب سلطنت بنے رہے۔دلاور خان کے خاتمہ کے بعد نائبین سلطنت کا سلسلہ ختم ہوا اور خود سلطان نے حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ابراہیم کو شاعری اور موسیقی سے خاص دلچسپی تھی وہ نہ صرف شاعری اور موسیقی کا قدر دان تھا بلکہ خود بھی ان دونوں میں مہارت رکھتا تھا۔ظہوری، ملک قمی، آتشی، مُقیمی نورسی جیسے شعراء دربار کی زینت تھے۔اس کے عہد میں ابوالقاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ فرشتہ قلمبند کی۔ظہوری نے ''سہ نثر ظہوری لکھی، ملک قمّی نے مخزن اسرار نظامی، کا جواب لکھا۔عبدالرشید الستگی نے علامہ علاؤالدین محمد بن ذکریا قردنی کی کتاب عجائب المخلوقات کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ملا رفیع الدین شیرازی نے روضۃ الصفاّ۔کا خلاصہ مرتب کیا۔ابراہیم کی مہارت شاعری اور موسیقی کا شاہکار اسکی تصنیف ''نورس'' ہے فنِ موسیقی کے لحاظ سے اس کو استادِ فن تسلیم کرلیا گیا۔ابراہیم کے عمدہ صِفات اور اخلاق حسنہ کے باعث ''جگت گرو'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔

(۷) محمد عادل شاہ

ابراہیم عادل شاہ کے بعد اسکا بیٹا محمد عادل شاہ (۱۶۵۶ء تا ۱۶۲۷ء) میں جانشین ہوا۔اس کے دور میں دکنی ادب کو بہت عروج ملا اس کے دور میں اردو میں دکنی زبان کے نامور شعراء گزرے ہیں۔جنہوں نے تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ شعری ترجمہ کا بھی

معیاری کام کیا۔ان شعرا میں شوقی، مقیمی، صنعتی، رستمی۔اور ملک خوشنود وغیرہ شامل ہیں۔اس زمانے میں مثنوی کو عروج حاصل ہوا۔ محمد عادل شاہ کو کئی دشمنوں سے لڑنا پڑا۔اگر چہ عادل شاہی سلطنت کے بعض حصہ مغلیہ حکومت میں شامل ہو گئے تھے۔مگر دوسری طرف توسیع ہوگئی جنگ وجدل اور معرکہ آرائی کو نظر انداز کر کے جب علم وفن کی طرف نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ نے اپنے باپ دادا کی طرح علم اور اصحاب علم کی پوری سرپرستی فرمائی۔اور اس کی سرپرستی کی وجہ سے فارسی اور اردو کے ادبی شاہکار اس کے زمانے میں مرتب ہوئے۔محمد عادل شاہ نے تیس سال تک شاندار حکومت کی ۱۶۵۶ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

(۸) علی عادل شاہ ثانی

محمد عادل شاہ کے بعد اسکا بیٹا علی عادل شاہ ثانی ۱۶۵۶ء تا ۱۶۷۲ء انیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔اس کے دورِ حکومت جنگ وجدل سے پُر تھا۔ایک طرف مغلیہ شہنشاہیت کے حملے ہوتے رہے تو دوسری طرف شیواجی کے ہنگامے برپا تھے۔اور پھر صلابت خاں باغی ہوکر دشمنوں میں مل گیا۔

علی عادل شاہ کے دورِ میں بھی شعراء اور ادیبوں کی سرپرستی ہوتی رہی۔قاضی نور اللہ نے تاریخ عادلشاہی قلمبند کی۔دکنی شاعری کو بڑی ترقی ہوئی۔سلطان خود بھی شاعر تھا اور شاہی تخلص کرتا تھا۔دکنی ادب کا وہ شاعر جسے ملک الشعراء دکن کہا جاتا تھا نصرتی اس کے زمانے کا شاعر تھا۔سولہ سال حکمرانی کرنے کے بعد علی عادل شاہ ثانی کا پینتیس (۳۵) سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

(۹) سکندر عادل شاہ

علی عادل شاہ کے انتقال کے بعد اسکا کمسن بیٹا سکندر عادل شاہ تخت نشین ہوا (۱۶۷۲ء تا ۱۶۸۶ء) اس کے چودہ سالہ دورِ حکومت میں جنگ وجدل کے بادل منڈلاتے رہے۔شیواجی کے حملے ہوتے رہے۔عالمگیر نے پورے دکن کو فتح کرلیا۔بیجاپور پر بھی حملہ کر کے ۱۶۸۶ء میں اسکو فتح کرلیا اسطرح دوسو سالہ عادل شاہی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ بیجاپو کی تباہی ۱۶۸۶ء میں مغلوں کے ہاتھوں ہوئی۔۱۶۵۷ء میں شاہجہاں کے حکم پر اورنگ زیب نے بیجاپور پر زبردست حملوں کا سلسلہ شروع کیا بیجاپور کے طویل محاصرے میں اور نگ زیب نے کامیابی حاصل کی اور شہنشاہ کے حکم ملنے پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔اورنگ زیب نے بادشاہ بننے کے بعد بیجاپور کے خلاف جنگی کاروائیاں جاری رکھیں ۱۶۸۶ء کو ریاست کے والی سکندر عادل شاہ نے ہتھیار ڈال دیے جس سے حکومت کا زوال ہوا۔ اب شمال سے دکن آنے والے لوگوں کے لئے دکنی زبان پس ماندگی کا نمونہ بن گئی سلطنت بیجاپور کی ابتداء ۱۴۹۰ء میں یوسف عادل شاہ سے ہوئی اور انتہا سکندر عادل شاہ پر ہوئی۔جس کے دور میں ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کا سقوط واقع ہوا۔

9.3.2 عادل شاہی دور میں دکنی اردو

دکنی قدیم اردو کا وہ ادب ہے جس کی ادبی نشو ونما ابتدائی زمانے میں دکن اور گجرات میں چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے لیکر سترھویں صدی کے کے کے اواخر کے دوران میں ہوئی۔یہ زبان جدید ہند آریائی کی ایک شاخ ہے اور اسکا آغاز بھی جدید ہند آریائی زبانوں پنجابی، سندھی، مغربی ہندی، راجستھانی، گجراتی، مراٹھی، بنگالی اور آسامی کے ساتھ ساتھ ہوا لیکن ادبی نشونما کے

اعتبار سے یہ اودھی کے معاصر ہے۔دکنی کا سارا سرمایہ الفاظ ہند آریائی ماخذوں پر مبنی ہے۔اور قوائد کا ڈھانچہ بھی ہند آریائی بولیوں کے مطابقت رکھتا ہے۔

بارہویں صدی کے آخر میں شمال سے فوجوں کی آمد کے ساتھ ہند آریائی کی ایک بولی نہیں بلکہ کئی بولیاں دکن پہنچی تھیں۔شمال سے دکن کا باضابطہ ربط اور طبعی تہذیبی اور لسانی الحاق اسی زمانے میں ہونے لگا۔دکن میں اردو کی موجودگی کے آثار ہم کو چودھویں اور پندرھویں صدی سے ملتے ہیں۔دکنی زبان کی جنوب میں آمد اور ترویج مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔سلطان علاؤالدین خلجی نے ۱۳۱۰ء میں دکن فتح کر کے اسے اپنی قلمرو میں شامل کرلیا تھا۔اسکے بعد تیس سال تک سے زیادہ عرصے تک جنوبی ہند،شمالی ہند کے زیرفرمان رہا۔محمد بن تغلق کے زمانے میں امرائے دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان دہلی کے خلاف بغاوت کردی اور دوسال کی جدو جہد کے بعد حسن خان ظفر خان علاؤالدین بہمنی شاہ کے خطاب کے ساتھ دکن کا خودمختار حاکم بن بیٹھا۔تقریباً دوسوسال تک اس خاندان کے اٹھارہ اشخاص گلبرگہ اور بیدر میں حکمرانی کرتے رہے۔لیکن جب ۱۵۸۷ء میں پانچ حکومتیں قائم ہوگئیں گولکندہ میں قطب شاہی،احمدنگر میں نظام شاہی، برار میں عمادشاہی، بیدر میں بریدشاہی اور بیجاپور میں عادل شاہی سلاطین بہمنہ نے دکنی زبان کی خاص طور پر سرپرستی فرمائی تھی اور اس کو سرکاری درجہ بھی عطا کردیا تھا۔بہمنیوں نے دکن میں علم وفضل اور شعروسخن کی ایسی فضا پیدا کردی جوان کی سلطنت کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ انکی جانشین حکومتوں اور خاص کر گولکنڈہ اور بیجاپور میں ایسی نشونما پائی کہ دنیائے اردو اور اس پر ناز کرتا ہے۔

9.3.3 عادل شاہی دور کے ادب کا جائزہ

اس زبان پر برج بھاشا،اودھی،راجستھان اور پنجابی کے اثرات بھی نمایاں ہیں لیکن اس زبان میں دکنی کی خصوصیات نظر آتی ہیں۔عادل شاہی عہد میں عبدلؔ نے ۱۶۰۳ء میں اپنے محسن ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے حالات ایک طویل مثنوی ابراہیم نامہ میں لکھے ہیں۔عبدل کی زبان میں دکنی کے علاوہ ہندی کا اثر زیادہ تھا۔

حسن شوقی نے میزبانی نامہ عادل شاہ دکنی میں لکھا ابراہیم صنعتی نے حضرت تمہیم انصاری کا واقعہ 'قصہ ئے نظیر' کے نام سے ۱۶۴۵ء میں منظوم کیا۔لیکن رُستمی اور نصرتی اس دور کے دو نامور شعراء ہیں کمال خان رُستمی جو شاعر تھا قصیدہ،غزلیں،مثنویاں،اصناف سخن میں کمال حاصل کیا۔خدیجہ سلطان شہر بانو بیگم کے اعلان انعام پر اس نے فارسی 'خاورنامہ' ابنِ حسام کا دکنی اردو میں ترجمہ ۱۶۴۵ء میں کیا۔یہ فردوسی کے شاہنامے کی طرز پر ایک طویل مثنوی ہے۔جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہیہ کی لڑائیاں بیان کی گئی ہیں۔'خاورنامہ' جو چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے دکن کی طویل ترین مثنویوں میں شمار کیا جاتا ہے۔علی عادل شاہ کے دربار کا ملک الشعراء ملاّ نصرتی دکنی کا بہت بڑا شاعر تھا۔انھوں نے غزلیں اور قصائد بھی تحریر کی۔اس کے علاوہ نصرتی کو عادل شاہی دربار میں وہ عزت اور مرتبہ حاصل تھا جو کسی اور دکنی شاعر کو کسی جگہ حاصل نہیں ہوا۔اس نے ۱۶۶۵ء میں ایک رزمیہ مثنوی 'علی نامہ' لکھی اور اسی کتاب سے اس کی استادی اور صاحبِ کمالی کا اندازہ ہوتا ہے۔

دکنی ادب کی تاریخ میں نصرتی کی جو چیز ایک اعلیٰ ادبی مقام عطا کرتی ہے۔وہ رزمیہ نگاری ہے۔نصرتی دکنی روایت کا نقطہ

کمال تھا۔اپنے فنی کمالات سے وہ دکنی شعری روایت کو اپنے درد کی آخری بلندیوں تک لے گیا تکھا۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس پر دکنی زبان کی قدرت الفاظ کی اور روانی ختم ہو جاتی ہے وہ اس میدان کا آخری بڑا شاعر تھا۔قدیم اردو ادب کی تاریخ اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتی کہ عادل شاہی عہد کا ادبی شعور پوری شان کے ساتھ آخری بار نصرتی کی شاعری میں بولا تھا۔''گلشن عشق''، ''علی نامہ'' تاریخ سکندری اور غزلیات کو اس شعور کی آخری نمائندہ نشانیاں کہ سکتے ہیں۔۱۶۸۶ء میں بیجاپور میں مغلوں کے قبضے کے بعد یہاں کی ادبی اور لسانی روایت مٹی میں مل گئی۔ پرانی روایت کا خاتمہ ہو گیا۔مغلوں کی آمد کے بعد دکنی زبان بھی بدل گئی۔شمال کا اثر چھانے لگا۔اور شمال کی بولی بولنے لگے۔

9.3.4 عادل شاہی دور کے اہم شعراء

عادل شاہی دور پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں شعراء،ادیبوں کی دستگیری اور سرپرستی ہوتی رہی۔عادل شاہی دور میں دکنی شاعری کو بڑی ترقی ہوئی۔خود سلطان علی عادل شاہ اور عادل شاہی دور کے بہت سے حکمران شاعر تھے۔شمال اور جنوب کے اختلاط سے ایک نئی شاعری وجود میں آئی جس پر عربی،ایرانی،آریائی،اور دراوڑی کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔دکنی ادب میں مثنوی نظم،غزل،قصیدہ، رباعی نے فروغ پایا۔عادل شای عہد کی ادب نوازی اور علم پروری روز روشن کی طرح عیاں ہے۔عادل شاہی بادشاہوں نے شعروادب کی سرپرستی کی۔عادل شاہی عہد میں کئی قابل ذکر شعراء گذرے ہیں۔

(۱) برہان الدین جانمؔ

برہان الدین جانمؔ شاہ میراں جی شمس العشاق کے بیٹے تھے۔حضرت شاہ میراں جی ان اولیاء میں سے ہیں جن کا فیض صدہا مخلوق خدا کی ہدایت کا باعث بنا شمس العشاق دکنی صوفیوں میں اپنی نگارشات کی وجہ سے بیحد اہم تصور کئے جاتے ہیں۔ برہان الدین جانمؔ اپنے باپ کے خلیفہ تھے۔انہیں سے علومِ ظاہری اور علوم باطنی حاصل کیا۔اپنے والد کے بعد مسندِ ارشادات وہدایت کرتے تھے۔ بیجاپور کی مخصوص ادبی روایت وتصوف کے نمائندہ شاہ برہان الدین جانم ہیں۔(۱۵۸۲) جانمؔ نے اپنے والد کی روایت کو قائم رکھا اور تصنیف وتالیف کے ذریعے رشد وہدایت کے فیض کو جاری رکھا۔جانم کی دو خدمات قابل ذکر ہیں۔انھوں نے تصوف کے فلسفہ وجود کو مرتب کر کے اسے ایک با قاعدہ شکل دی اور آب وآتش،خاک و باد کے تعلق سے وجود کا مطالعہ کر کے اس کے چار مدارج واجب الوجود،ممکن الوجود متمنع وجود اور عارف الوجود مقرر کئے۔دوسرے یہ کہ تصوف واخلاق اور شریعت وطریقت کو اپنی تصانیف نظم ونثر کے ذریعے پیش کیا۔انہوں نے نظمیں لکھی۔راگ راگنیوں کے مطابق گیت بھی ترتیب دئے اور دوہرے بھی لکھے۔جانمؔ کا کلام دیکھ کر گجرات کے شیخ باجن،محمود دریائی،اور جیو گام دھنی یاد آتے ہیں۔روایت کے اعتبار سے جانمؔ گجری کی ادبی روایت و میعار کو اپناتے ہیں۔

(۲) عبدلؔ

ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد کے ایک دکنی شاعر عبدلؔ کی بھی اہمیت مسلم ہے۔اس کا ابراہیم نامہ ۱۶۰۳ میں ایک طویل مثنوی

لکھی جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے زمانے میں لکھی گئی۔اس مثنوی میں ابراہیم کو موضوع سخن بنایا گیا۔ابراہیم نامہ فارسی مثنوی کی ہئیت کی شکل میں تحریر کی گئی۔ یہ مثنوی اس نے بادشاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس مثنوی میں عہد ابراہیم عادل شاہ کی تہذیبی وثقافتی زندگی قصہ موجود ہے''ابراہیم نامہ'' کو مثنوی کی عام ہئیت کے مطابق مختلف عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا۔جس میں حمد ونعت، درمدح باراں' در تعریفِ گیسودراز کے بعد بادشاہ کی زندگی کے حلات، معمولات، پسند وناپسند اور دوسری صفات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔اس مثنوی میں بادشاہ ایک جامع صفات شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جو ہر موضوع پر قدرت رکھتا ہے۔اس مثنوی کو لکھتے وقت ایک طرف تو عبدل نے حقیقت پسندی کو ملحوظ رکھا اور دوسے ان سب چیزوں کے بیان میں شاعرانہ سطح اور حسن بھی برقرار رکھا۔معاشرتی وتہذیبی نقطہ نظر سے بھی اس مثنوی کی خاص اہمیت ہے۔

(۳) مقیمی

محمد مقیم نام تھا اور مقیمی تخلص (۱۶۰۶ تا ۱۶۷۰) مقیمی ایک ایرانی تھا جو بیجاپور آکر بس گیا اور شاہی تقرب حاصل کرلیا تھا۔ فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی شاعری کرتا تھا۔صاحب دیوان اوخطاطی کا بڑا ماہر تھا۔اسکے ہاتھ کا خود لکھا ہوا دیوان حیدرآباد کے سالار جنگ میوزیم کے کتب خانے میں موجود ہیں۔جس میں قصائد،غزلیات،ترجیع بند، رباعیات،قطعات،مثنوی،ساقی نامہ شامل ہے۔اس نے سلطان م محمد عادل شاہ کی مدح میں بھی کئی قصیدے لکھے ہیں۔ بادشاہ صحت یاب ہوئے تو قصیدہ لکھا۔ بادشاہ کی شادی پر قطعہ تاریخ لکھا۔مقیمی کی ایک اردو مثنوی 'فتح نامہ بکھری' ہے جس میں اس جنگ کا حال بیان کیا گی ہے جو راجہ ایر بھدرا اور سلطان محمد عادل شاہ کے درمیان ۱۶۳۷ میں لڑی گئی۔اس مثنوی اس دور میں اس لئے قابل توجہ ہے کہ اس میں فارسی طرز اسلوب اور لہجے کا رنگ نکھر کر سامنے آتا ہے۔اسی اسلوب اور رنگ سخن میں میقیمی نے مثنوی ''چندر بدن ومہیار'' بھی لکھی۔اور اس قصہ عشق کو موضع سخن بنایا جو لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کی طرح سارے دکن میں مشہور تھا۔ یہ بیجاپور کی پہلی عشقیہ مثنوی ہے۔مقیمی نے جب چیندر بدن ومہیار کا قصہ سنا تو اسے خیال ہوا کہ اسے سن کر لوگ لیلیٰ مجنوں کے قصے کو بھول جائیں گے۔وہ اس قصے سے اتنا متاثر ہوا کہ اشعار خود بخود نکلنے لگے ۔مقیمی کو دکنی اردو پر قدرت حاصل تھی.

(۴) صنعتی

صنعتی اپنی تخلیق ''قصہء بے بظیر'' کی وجہ سے قدیم دکنی ادب میں اہم مقام رکھتا ہے۔صنعتی نے ''قصہء بے نظیر'' ۱۶۴۵ء میں لکھی۔جس میں ایک صحابی تمیم انصاری کے عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعات کو صحتِ روایت کے ساتھ، مربوط ومتوازن قصے کی شکل میں، فنی شعور کے ساتھ لکھا۔حمد،نعت،منقبت،تعریفِ سخن،تعریفِ محمد عادل شاہ اور وجہ تالیف کے بعد لکھا اس میں چار سو پانچ اشعار ہیں۔مثنوی کو ایک ڈرامائی انداز میں شروع کیا۔ یہ مثنوی اس دور میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ پوری مثنوی کے مزاج پر اسکے اسلوب وآہنگ پر ذخیرہ الفاظ وتراکیب پر فارسی اسلوب کا اثر غالب ہے۔فن اور اسلوب کے لحاظ سے وہی خراج وعقیدہ نظر آتا ہے۔ جو اچھی فارسی مثنویوں کی خصوصیت ہے.

(۵) حسن شوقی

حسن شوقیؔ کا زیادہ حصہ نظام شاہی سلطنت میں گزرا۔ سلطنت کے آخری دنوں میں جب اس نظام شاہی دور میں انتشار پھیل گیا تو حسن شوقی بھی عادل شاہی سلطنت میں آ گیا۔ اس وقت عادل شاہی سلطنت میں سلطان محمد عادل شاہ کا دورِ حکومت تھا۔ حسن شوقی کی دو مثنویاں اور اکتیس غزلیں ہیں۔ ایک مثنوی 'فتح نامہ نظام شاہ' ہیدوسری مثنوی 'میزبان نامہ' ہے جو نواب مظفر خاں کی لڑکی سے سلطام محمد عادل شاہ کی شادی کے موقع پر لکھی گئی۔ 'فتح نامہ نظام شاہ' میں ۶۲۰ اشعار ہے۔ جسے دکن کی مشہور جنگ تالکوٹ ۱۵۶۴ء کی فتح پر حسن شوقی نے مرتب کیا تھا۔ فتح نامہ کی ہئیت وہی ہے جو عام مثنویں میں ملتی ہے۔

(۶) نصرتیؔ

محمد نصرت نام اور نصرتیؔ تخلص ہے۔ نصرتی کے والد شاہی صجدار تھے۔ اس لئے نصرتی کی تعلیم وتربیت شاہی محل میں ولی عہد سلطنت علی عادل شاہ کے ساتھ ہوئی۔ جب علی عادل شاہ بادشاہ ہوا تو نصرتی نہ صرف شاہی مصاحبوں میں داخل ہوا بلکہ ملک الشعراء کا مرتبہ بھی عطا کیا گیا۔ وہ ہر وقت بادشاہ کے ساتھ اس کے رزم و بزم میں شریک رہا کرتا تھا۔ نصرتیؔ کو دبستان بیجاپور کی شعری روایت کا حاصل اور نقطۂ تکمیل سمجھا جاتا ہے۔ نصرتی کی تصانیف ''گلشنِ عشق'' ۱۶۵۷ء ''علی نامہ'' ۱۶۶۵ء ''تاریخ اسکندی'' ۱۶۸۲ء اور دیوان نصرتی ہے۔ جس میں غزلیات، قصیدہ، ہجو اور رباعیاں شامل ہیں۔ ''گلشن عشق'' نصرتی کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو ۱۶۵۷ء میں لکھی گئی۔ اس نے نصرتی نے منوہر و مدماتی کی داستانِ عشق کو موضوع سخن بنایا ہے۔ داستان دکن میں بہت مقبول تھی۔ مثنوی گلشن عشق ،عشقیہ مثنوی ہے۔ ''گلشنِ عشق کی کہانی اس عہد کی دیگر کہانیوں کی دنیا کو نہ صرف استحکام بخشا بلکہ اسے تجربات کی دولت سے مالا مال کر دیا ۔نصرتی کے ادبی کارناموں میں تین مشہور مثنویاں ہے ''گلشن عشقِ''، علی نامہ' اور تاریخ اسکندری، مثنوی گلشن عشق، عشقیہ مثنوی ہے۔ جو ۱۶۵۸ء میں مکمل ہوئی۔

(۷) رستمیؔ

رستمی کا نام کمال خان تھا۔ جو اسمٰعیل خان کا فرزند تھا۔ اس کے آباواجداد سات پشت سے عادل شاہوں کے شاہی خطاطیوں کے زمرہ میں شامل تھے۔ ان کی خطوط بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ اسی مناسبت سے کمال خاں رستمی کو محمد عادل شاہ نے سرفراز کیا تھا۔ رستمی کو اردو کی سب سے طویل رزمیہ مثنوی کا ترجمہ کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کی مثنوی 'خاور نامہ' ابن حان کے حاور نامہ کا دکنی ترجمہ ہے۔ رستمی کے باکمال اور قادرالکلام ہونے کا ثبوت اس سے ہوسکتا ہے کہ یہ ضخیم مثنوی جو تقریباً چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ صرف ڈائی سال کی مدت میں تیار ہوئی۔ یہ کام وہی کرسکتا ہے جس فن شعر میں استادنہ مہارت رکھتا ہو۔ خاور نامہ میں حضرت علی کی جنگوں کا تذکرہ کیا اس میں ایک فرضی داستان نظم کی گئی ہے جس کے ہیروں حضرت علی ہیں۔ اس میں کئی ملکوں کے بادشاہوں سے جنگ دیوؤں پریوں سے مقابلے داستان کو فارسی کے ترجمہ کیا گیا ہے لیکن یہ اردو کی پہلی ضخیم رزمیہ مثنوی ہیرستمی کے کام پر نظر ڈالی جائے تو یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وہ دکنی زبان کا بلند پایہ شاعر اور استادسخن تھا۔ رستمی کے کلام میں صفائی وسادگی۔ اشعار صاف ہیں تشبیہات قابل داد ہیں۔ واقعہ نگاری کے لحاظ سے مثنوی بلند پایہ ہے۔

(۸) ملک خوشنود

ملک خوشنود دراصل گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کا غلام تھا اور خدیجہ سلطانہ کے ساتھ خانگی ملازم کی حیثیت سے بیجاپور گیا۔ راستہ میں اس نے سامان جہیز کی دیکھ بھال کی اور انتظام اس عمدگی کے ساتھ خدیجہ سلطانہ نے اس کے حسن انتظام کو دیکھ کر ایک اعلی خدمت پر مامور کر دیا اور رفتہ رفتہ اس نے مرتبے بلند ہوتے گئے۔حتیٰ کہ ۲۶۳۲ء میں سفارت جیسی اہم خدمت اس کے فویض ہوئی۔ اس کی دو مثنویاں بہت اہم ہیں۔ایک ہشت بشت اور دوسری مثنوی بازارحسن کے نام سے تحریر کی۔ہشت بشت یہ مثنوی دراصل امیر خسرو کی اسی نام کی مثنوی کا ی ترجمہ ے۔اس مثنوی میں اول حمد ہے پھر نعت اور اس کے بعد معراج کا بیان اسکے بعد بادشاہ کی مدح اور پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔یہ داستان بہرام گور سے معلق ہے اس میں عشق کا حال قیفیت بیان کی گئی ہیں۔

(۹) ابراہیم عادل شاہ

عادل شاہی دور کا چھٹا حکمران سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی نہ صرف دکنی شعروسخن کا دلداہ تھا بلکہ خود بھی اچھا شاعر تھا۔اس کا تخلص ابراہیم تھا۔اس نے مثنوی،غزل،قصیدے کے لیکن اس کی تصنیف نورس بہت اہم ہے۔اس کتاب میں گیت لکھے گئے جو مختلف راگ راگینوں میں گائے جاسکتے ہیں۔ ابراہیم عادل شاہی دور میں موسیقی اور راگ راگینوں میں بہت ترقی ہوئی۔

(۱۰) ان شعراء کی تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

نام	تصانیف
شاہ برہان الدین جانم	وصیت الہادی،مغزمرغوب،سکھ سہلا،منفعت الایمان
ابراہیم عادل شاہ ثانی	نورس
عبدلؔ	ابراہیم نامہ
مقیمی	چندر بدن ومہیار
امنؔ	بہرام وگل اندم
شوقیؔ	فتح نامہ
صنعتیؔ	قصہ بے نظیر،گلدستہ
ملک خوشنودؔ	ہشت بشت
رسمیؔ	خاورنامہ
دولتؔ	تکملہ بہرام وگل اندام
علی عادل شاہ شاہی	کلیات
نصرتی	گلشن عشق،علی نامہ،تاریخ اسکندری
شاہ ملک	شریعت نامہ
امین الدین اعلی	محبت نامہ رموزالسالکین
ظہور	غزلیات
ہاشمی	یوسب زلیخا،دیوان
ایانی	نجات نامہ

شغلی	پندنامہ
علی	پندول بند
کریم	نظم مدحیہ
قدرتی	قصص الانبیاء

9.3.5 عادل شاہی دور کی شعری اصناف

عادل شاہی دور علم و ہنر کا مرکز تمدن اور تہذیب کا گہوارہ تھا۔اس دور کے اہل علم وفن یہاں کی قدر دانی کا شہرہ سُن کر آئے اور اپنی محنت کا صِلہ پا کر نہال ہو جاتے۔ یہاں کے چشمہ ہائے فیض کی آبیاری خمستان علم وفضل سرسبز وشاداب تھے۔شعروسخن نے خوب ترقی کی۔ان حکمرانوں کے دور کے صنف شاعری کے تعداد اقسام مثلاً مثنوی،قصیدہ،غزل،رباعی،مرثیہ،گیت وغیرہ سب انہوں نے طبع آزمائی کی۔اس باب میں عادل شاہی دور کے اہم شعری اصناف پر ہم نظر ڈالیں گے۔

(۱) مثنوی

دکنی زبان میں بھی پہلے نظم کا آغاز ہوا ہے اور مثنوی کی پہلی بنیاد رکھی گئی۔اس کے بعد رُباعی،غزل،قصیدہ،کا آغاز ہوا۔عادل شاہی کی تخلیقی سرگرمیوں میں فن تعمیر خطاطی اور شعروادب کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ادب میں تاریخی اور مذہبی موضوعات بھی شامل تھے ۔لیکن سب سے زیادہ اہمیت شاعری کو حاصل تھی۔شاعری ہر قسم کے خیالات،خواہ وہ عاشقانہ وناصحانہ ہوں یا صوفیانہ ورزمیہ ہوں۔اظہا رکا سب سے مقبول وسیلہ تھی۔ یہ معاشرہ شاعری کو ایک ایسا فن سمجھتا تھا جو کامیابی وترقی کا ترجمان تھا۔اس کا اظہار کسی نہ کسی انداز میں اُس دور کے شعراء عام طور پر کرتے تھے۔

عادل شاہی دور میں شاعری کی اپنی ایک الگ اہمیت قائم ہوگئی۔اب شاعری صرف تک بندی نہیں رہی بلکہ اس میں احساس، جذبہ،تخیل،محاکات اور شعریت کی اہمیت ہوگئی تھی۔اور شاعری اپنے دامن میں ہر قسم کے موضوعات پر کلام تحریر کیے گئے۔موضوعات میں تصوف واخلاق کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ابتدائی دور کی تقریباً تمام تحریریں مذہب وتصوف کے موضوعات سے ہی تعلق رکھتی تھی۔لیکن آگے چل کر اطلاقی اقدار زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہ رنگ عشقیہ مثنویوں میں بھی نظر آتا ہے جس میں مقیمی کی عشقیہ مثنوی ''چندر بدن جہاد'' میں اور صنعتی کی مذہبی مثنوی ''قصۂ بے نظیر'' میں بھی حیرت ناکی کے عناصر کو ہی اُبھارا گیا۔نصرتی کی ''گلشن عشق'' اور ہاشمی کی مثنوی ''یوسف الیخا'' میں بھی عشق کے علاوہ بادشاہوں کی جنگ کے حالات وواقعات کو بھی موضوع سخن بنایا جاتا تھا۔ حسن شوقی نے ''فتح نامہ نظام شاہ'' میں مرزا مقیمی نے ''فتح نامہ بکھیری'' میں اور نصرتی نے علی نامہ، میں بیان کیا۔بادشاہ کی شادی یا عشق وعشرت کی محفلوں کو بھی شعر کے ذریعے بیان کیا جاتا تھا۔شوقی نے ''میز بانی نامہ'' میں سلطان محمد عادل شاہ کی ایک شادی کا نقشہ پیش کیا ہے۔اسی طرح بادشاہوں کی زندگی کے حالات کو بھی شاعری کے ذریعے بیان کیا جارہا ہے۔عبدل نے ''ابراہیم نامہ'' میں ابراہیم داعل شاہ جگت گرو کو موضوع سخن بنایا اس کے علاوہ مذہب کے اراکین اور مسئلہ مسائل کو بھی موضوع سخن بنایا خاص طور پر شاہ داول نے عورتوں کی اصلاح اور اپنے شوہروں سے بہتر صورت محبت کرنے کے موضوع کا ایک طویل نظم ''ناری نامہ'' میں بان کیا ہے۔اس زمانے میں

اصناف سخن میں مثنوی سب سے زیادہ مقبول صنف تھی۔ عادل شاہی دور کی مثنویوں میں تاریخی مثنویاں بہت سی لکھی گئیں، حسن شوقی پہلا شاعر تھا جس نے تاریخی مثنوی ظفر نامہ نظام شاہ یا فتح نامہ نظام شاہ لکھی۔ اس مثنوی میں شاعر نے فتح کا سہرا نظام شہ کے سر باندھا تھا۔

(۲) غزل

عادل شاہی دور میں غزل گوئی کو بھی اہم مقام حاصل تھا۔ غزل کو صرف عورتوں سے باتیں کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے ذریعے سے محبوب کی ہر ادا اور جسم کے خدوخال بیان کئے جاتے تھے۔ اور عشق کا کھل کر اظہار کیا جاتا تھا۔ غزل کے نقش و نگار پہلی بار ایک باقاعدہ روایت کی شکل کے بعد حسن شوقی کے ہاں ابھرتے ہیں۔ جو نظام شاہی سلطنت کے زوال کے بعد عادل شاہی سلطنت میں آ گیا تھا۔ اسی لیے اس کا مزاج شعر گولکنڈہ کے مزاج سے زیادہ قریب ہے۔ وہ اُسی روایت کا نمائندہ ہے جس کے بانی گولکنڈہ کے محمود، خیالی، فیروز اور محمد قلی قطب شاہ ہیں۔ وہ اُردو غزل کی روایت کی وہ درمیانی کڑی ہے جو ولی کی شاعری سے جا ملتی ہے۔ حسن شوقی کی غزلوں میں ایک طرح کی شیرینی ہے۔ اُن کی غزلیں عشق مجازی کی کیفیت سے سرشار نظر آتی ہیں۔

(۳) قصیدہ

عادل شاہی دور میں قصیدے کی صنف بھی مقبول ہوئی۔ اس کی ایک شکل تو اُن مثنویوں میں ملتی ہے جہاں شاعر بادشاہ وقت کی مدح کرتا ہے۔ جیسے ''جنت سنگھار'' میں ملک خوشنود محمد عادل شاہ کی مدح کرتا ہے۔ اسی طرح حسن شوقی نے ''فتح نامہ نظام شاہ'' میں مقیمی نے ''فتح نامہ بکھیری'' میں اور نصرتی نے ''فتح نامہ بہاول خاں'' میں بادشاہ کی مدح کی ہے۔ کبھی کسی بزرگان دین یا بادشاہ کے محل و باغ وغیرہ کی تعریف کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر علی عادل شاہ شاہی نے حضرت گیسو دراز کی مدح میں قیصدہ لکھا یا اپنے محل و باغ کی تعریف میں قصیدہ لکھا ہے، علی عادل شاہ شاہی کے چھ قصیدے ہیں۔ چونکہ شاہی فارسی شعر و ادب سے آگاہ تھا۔ لہذا اس کے قصائد کی وہی حیثیت ہے جو فارسی قصیدوں میں پائی جاتی ہے۔ قصیدہ گوئی کا کمال یہ ہے کہ وہ پُر شکوہ ہو، آہنگ بلند رکھتا ہو اور اس میں موسیقی بھی ہو۔ یہ سب صورتیں شاہی کے قصیدوں میں ملتی ہیں۔ جب قصیدہ کی صنف نصرتی کے ''علی نامہ'' میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ تو قصیدہ اپنے عروج کو پہونچ جاتا ہے۔ یہ وہ قصیدہ ہے جو فارسی زبان کے بہترین قصائد کو معیار و نمونہ بنا کر لکھے گئے ہیں اور آج بھی زبان و بیان کی قدامت کے باوجود فنی اعتبار سے ان کی حثیت اتنی ہی مسلم ہے جتنی سوداؔ اور ذوقؔ کے قصائد کی ہے۔ نصرتی نے شہادت امام حسین کے متعلق بھی ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں بیجاپور کے محرم اور عاشور خانہ کا تذکرہ بھی ہے۔

(۴) مرثیہ

عادل شاہی دور میں مرثیہ بھی ایک مقبول صنف سخن کی تھی۔ عادل شاہی دور کے بادشاہ زیادہ تر شعیہ تھے۔ محرم کے زمانے میں ان کے عقائد کا اظہار مجلسوں اور دوسری رسوم کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر موقع کی ضرورت کے مطابق مرثیہ اور سلام لکھنے کا عام رواج تھا۔ ہر شاعر نے مرثیہ ضرور لکھا تھا۔ ان مرثیوں کی خاص بات یہ کہ یہ زیادہ تر گانے کے لئے لکھے جاتے تھے۔ اسی لیے ان میں غنائی رنگ گہرا ہے۔ شاہی اور مزا کے مرثیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہی نے اپنے مرثیے مخصوص راگ راگنیوں کے مطابق تحریر کئے ہیں اور ہر مرثیے کے ساتھ ان راگ راگنیوں کے نام دیئے ہیں۔

(۵) ہجو

اُس دور میں ہجو کی روایت بھی سامنے آتی ہے۔ یہ ہجو کہیں تو غزل کے کسی شعر میں ملتی ہے اور کہیں با قاعدہ موضوع کی شکل میں مثال کے طور پر ''ملک خوشنود'' نے ہارون نامی گھوڑے کی ہجو لکھی ہے۔ نصرتی نے بھی ایک طویل ہجو لکھی ہے۔

(۶) گیت اور دوہرے

عادل شاہی دور میں گیت اور دوہروں کا رواج تھا۔ ابتدائی دور میں بہت زیادہ تھا بعد کے دور میں کچھ کم ہوا۔ یہ گیت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم وہ جس میں عشق و محبت کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اور دوسری قسم وہ جس میں مذہب و تصوف کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ وہ خصوصیت کے ساتھ راگ راگنیوں کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں۔ برہان الدین جانم اور امین الدین اعلیٰ کے ہاں دوسری قسم ملتی ہے۔ ہیت کے اعتبار سے ان گیتوں میں گجری روایت کی پیروی کی گئی ہے۔

(۷) ریختی

سید میراں جی ہاشمی کے بغیر شعرائے بیجاپور کا تذکرہ تشنہ دیگا۔ یہ ایک نابینا شاعر تھے اور ایک بزرگ شاہ ہاشم علوی کے مُرید تھے۔ مرثیوں اور مثنویوں کے علاوہ ریختی میں ایک پورا دیوان مرتب کیا تھا۔ ہاشمی کو ریختی کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کسی شاعر نے ریختی میں اظہار خیال نہیں کیا ہے۔ نمونہ درج کیا گیا۔

(۸) رباعیاں

دکنی ادب میں رباعیاں بہت کم ملتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان میں مختلف موضوعات اور متنوع اور رنگا رنگ مضامین سمٹ آئے ہیں۔ دکنی رباعی کہیں قصّہ وری ہے کہیں رندانہ سرمستی اور اٹکھیل، کہیں پند و موعظت کا گراں بہا سرمایہ اور کہیں عشق کا گہرا سمندر۔ دکنی کے رباعی کو شعراء نے اس صنف سے مختلف کام لیے ہیں۔ دکنی ادب کے موضوعات اور اظہار میں بڑی ندرت، تازگی اور دلفریبی نظر آتی ہے۔ بعض دکنی شعراء نے سوال و جواب کے انداز میں بڑی خوبصورت رباعیاں کہی ہیں۔ بعض وقت کسی تصور کی وضاحت کے لیے بھی رباعی سے مدد لی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کبھی خیال کی موثر ترجمانی کے لیے تو کبھی بطور عنوان یا سرخ، مثنویوں میں لائی گئی ہے۔

9.3.6 عادل شاہی دور میں نثر کا ارتقاء

دکنی زبان میں نظم کی ابتداء نثر کے بعد ہوئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تحریر کی ابتداء چونکہ ترجمے سے ہوئی اور نظم کی بہ نسبت نثر میں ترجمہ کرنا آسان تھا۔ دکن میں عادل شاہی دور میں شاعری کو جس قدر بلند مرتبہ حاصل تھی۔ نثر کو نسبتاً زیادہ ترقی حاصل نہیں ہوئی۔ نثر جو کچھ بھی تصنیفات ہیں ان کے موضوعات مذہبی تھے۔ اردو نثر کی تاریخ میں برہان الدی جان کی خاص اہمیت ہے نثری تصنیف ''کلمتہ الحائق'' بہت مشہور ہے۔ اس میں شریعت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے یہ تصنیف بہت اہمیت رکھتی ہے عادل شاہی دور میں زبان کے نئے اسلوب ذخیرہ الفاظ اور آہنگ سے روشناس ہو رہی تھی۔ اردو کی نثری اسلوب فارسی کے سہارے کھڑا ہو رہا تھا۔ بہر حال اس دور کی نثر کی کتابیں جو ملی ہے وہ تصوف کی ہیں۔

برہان الدین جام کلمتہ الحقائق میں شریعت وطریقت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔اور اپنے مخصوص فلسفلہ تصوف کی تشریح کی گئی ہے۔یہ نثر سوال وجواب کی شکل میں ہے۔امین الدین اعلیٰ کے نثری رسائل ''گنج مخفی'' رسالہ وجودیہ ''کلمتہ الاسرا'' وغیرہ کا موضع بھی تصوف ہے۔اسی طرح میراں جی خدانما کی شرح ''شرح تمہیدات ہمدانی'' اور میراں یعقوب کی شمائل الاتقباء بھی اسی روایت کی کڑیا ہے۔''کلمتہ الحقائق کی نث پر ہندوی رنگ گہرا تھا۔جانم کی نثر کا میراں یعقوب کی نثر سے مقابلہ کیا جائے تو اظہار میاں کے ارتقاء کا واضح طور پر احساس ہوتا ہے۔اس دور کی زبان میں مختلف زبانی ملتی ہیں۔جس میں مقامی زبانوں کے علاوہ کھڑی بولی برج بھاشا اودھی سرائیکی پنجابی راجستھانی سنسکرت اور گجری وغیرہ کے اثرات ایک ساتھ نظر آتے ہیں۔

برہان الدین جانؔم کی دوسری نثری تصانیف رسالہ وجودیہ اردو نثر کی تاریخ میں برہان الدین جانؔم کی اہمیت ان کی اولیت ہے۔ان سے پہلے کی کوئی نثری تصنیف نہیں ہے۔اس میں قدیم منطق وفلسفہ کے ان موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جن پر زمانہ قدیم سے بحث ہوتی رہی ہے برہان الدین جانم نے اپنی اس نثری تصنیف میں شریعت وطریقت کے ان تمام مسائل کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جو اس زمانے میں رائج تھے۔

اس دور میں قواعد کے اصول مقرر نہیں ہوئے تھے اور مختلف زبانوں کے اصول ایک ساتھ استعمال میں آتے تھے۔ مذکر اور مونث کے اصول بھی مقرر نہیں تھے۔ایک ہی لکھنے والے ے ہاں ایک لفظ مذکر آتا تھا اور وہی الفاظ دوسری جگہ مونث آتا تھا۔اسی طرح تلظ کا بھی کوئی میعار نہ تھا۔ایک ہی لفظ کبھی متحرک ہے اور کبھی سکن ۔جو چیز اہم ہے وہ ضرورت شعری ہے۔املا کا بھی کوئی یکساں میعار نہیں تھا۔

9.3.7 عادل شاہی دور کے اہم نثر نگار

قدیم اردو کی اشاعت کا سلسلہ مقامی صوفیا کی تصنیف وتالیف سے متعلق علاقئے دکن میں شروع ہوتا ہے۔عادل شاہی دور میں نثر کا موضوع تصوف واخلاق تھا۔ان کا مقصد اپنے مریدوں اور عقیدت مندو کی ہدایت تھا۔نہ صرف وعظ اور نصیحت کرتے تھے بلکہ اسکے ساتھ عوام کی بھلائی اور بہبودی کے لئے درس وتدریس کا سلسلہ بھی قائم کیا تھا۔عادل شاہی دور کے اہم نثر نگاروں کا جائزہ لے گے۔

(ا) شاہ میراں جی شمس العشاق

شاہ میراں جی شمس العشاق کو اردو کا پہلا نثر نگار قرار دیا جاہے۔آپ نے نثر میں 'سب رس' کتاب لکھی ہیں۔شاہ میراں جی شمس العشاق ۱۴۹۶ء شاہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے جو جمال الدین مغربی کے واسطے سے خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے سلسلے میں تھے۔شاہ میراں جی نے تصوف کا بنیادی نظام وفکر تو اپنے بزرگوں سے لیا۔ان کا زبان وروایت پر سنسکرت کا اثر بھی تھا۔برج بھاشا اور مقامی بولیوں کا بھی اسی لئے رنگ وروپ میں شاہ میراں جی کی زبان گجری تھی۔کلمتہ الحقائق کے اسلوب کے سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں ہندوی وفارسی کی کشمکش زیادہ ابھر کر سامنے آتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ فارسی اسلوب غالب ہے اس کے زیر اثر جانم

مسجع عبارت لکھنے کی کوشش کرتے ہیں نثری اسلوب میں جانم کے یہاں فارسی اور ہندوی اسالیب کا امتزاج نظر آتا ہے۔کلمتہ الحقائق میں فارسی لفظ ترکیب اور اصلاحتیں کثرت سے ملتی ہے زبیان کا لسانی ڈھانچہ دکنی ہیں ہے۔

(۲) شاہ برہان الدین جانم

برہان الدین جان میراں جی شمس العشاق کے فرزند تھے۔جانم کی تصنیف وتالیف دراصل رشد وہدایت کے اٹوٹ سلسلے سے متعلق ہیں۔انہوں نے چھوٹے بڑے متعدد رسالے قلمبند کئے اس دور میں نثر خاص طور سے مذہوی موضوعات کے لئے مخصوص تھی۔ برہان الدین جانم کو ایک مشہور کتا کلمتہ الحقائق ہے ان کی یہاں تصنفات کا بنیادی موضوع تصوف ہے نثر اسلوب میں جانم کے یہاں فارسی اور ہندوی اسلیب کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ک جسکی مثا ان کی نثر تصنیف کلمہ الحقائق ہے یہاں فارسی لفظ ترا کیب اور ااصلاحی کثرت سے ملتی ہیں۔

(۳) امین الدین اعلیٰ

شاہ امین الدین اعلیٰ حضرت برہان الدین جانم کے فرزند تھے آپ کی بے شمار کتابیں ہیں۔ امین الدین اعلیٰ کی کتابیں اس بات کا احساس دلاتی ھیکہ وہ قدیم نثر کو ایک خاص نہج دینے میں شعوری کوشش کرتے تھے۔گویا ان کے زمانے سے قدیم نثر کروٹ لینا جا ری تھی۔ان کی متعدد کتابیں مثلاً رسالہ ''وجودلہ'' ''گفتار امین الدین'' ''عشق نامہ'' چکی نامہ ''قحب نامہ'' ''گنج مخفی'' ''شرح کلمہء طیبہ'' ''نورنامہ'' اور ''رموز السالکین'' وغیرہ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ انکی غایت ایسا نثری اسلوب اختیار کرنا ہے کہ لازمً زیادہ تفہیم کی صورت پیدکر سکے۔

(۴) میراجی حسن خدانما

میراجی حسن خدانما سلطان عبداالله کے عہد میں شاہی معلم تھے۔اور سرکاری کام پر بیجاپور روانہ کئے گئے اور وہیں امین الدین اعلیٰ سے بیعت حاصل کی۔کی اور فیض باطنی پایا۔آپ نے دکنی اردو میں کئی رسالے لکھے جس میں شرح تمہید ہمدانی قابل ذکر ہے۔یہ ایک تصوف کی کتاب ہے جو امام غزالی کے بھائی شیخ احمد کی تصنیف کا ترجمہ ہے۔

(۵) میراں یعقوب

اس دور کے ایک اور مصنف میراں یعقوب ہیں جنہوں نے شمائل الاتقیا تصنیف کی ہے۔یہ کتاب تصوف میں برہان الدین اولیاء اورنگ آباد کی لکھی ہوئی ہے۔اس کا ترجمہ اس نام سے میراں یعقوب نے کیا ہے۔یہ کتاب تصوف میں لکھی گئی ہے۔اسکو چار قسم اور نوے بیان میں تقسیم کیا گیا ہے۔توبہ' عمل حمیدہ' یہ ہدایت وارشاء ہدایت وارشاد' معجزہ کرامت' حکمت' بیعت' درحکم مرید آداب مرید حکم نمز وغیرہ عنوانات قائم کیے ہیں۔

9.4 خلاصہ

عادل شاہی سلطنت کا بانی یوسف عادل شاہ تھا۔شعر وشاعری کا اسے شوق تھا اور فارسی کا بہت اچھا شاعر تھا۔اہل فن اور

ارباب ہنر کا بڑا قدر دان تھا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا اسمٰعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا اس کو بھی علم پروری ورثہ میں ملی تھی۔ خود بھی شاعر تھا۔ وفائی اس کا تخلص اور فارسی کا اچھا شاعر تھا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا ملّو عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ لیکن اس نے چند مہینوں تک ہی حکومت کی۔ اسکے بعد ابراہیم عادل شاہ اوّل تخت نشین ہوا۔ اس کا عہد حکومت جنگوں میں گزرا۔ اسکے باوجود علماء کی سرپرستی فرمائی۔ اسکے بعد علی عادل شاہ اوّل تخت نشین ہوا۔ اس نے تقریباً بتیس سال تک حکمرانی کی۔ علی عادل شاہ ایک امن پسند بادشاہ تھا۔ اسکے زمانے میں علم وفن کی بڑی ترقی ہوئی۔ اسکے بعد اسکا بھتیجہ ابراہیم عادل شاہ، ثانی تخت پر بیٹھا۔ اسکے زمانے میں علم وفن شعر و ادب، موسیقی کو بڑی ترقی ہوئی۔ ابراہیم کے زمانہ کو سلطنتِ عادل شاہ کے عروج کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس نے طویل عرصہ تک حکومت کی۔ اسکے بعد اس کا بیٹا محمد عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں بھی بیجاپور کی علمی دولت میں اضافہ ہوا۔ محمد عادل شاہ نے تین برس تک حکومت کی۔ محمد عادل شاہ کے بعد اس کا فرزند علی عادل شاہ ثانی اُنیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس نے سولہ سال تک حکمرانی کے بعد پینتیس سال کی عمر میں اسکا انتقال ہوگیا۔ علی عادل شاہ ثانی کے بعد اسکا بیٹا سکندر عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ اس نے چودہ سال تک حکومت کی۔ اسکے بعد شیواجی کے حملے ہوئے اور عالمگیر نے پورے دکن کو فتح کرلیا اور بیجاپور پر حملہ کرکے اسے بھی فتح کرلیا۔ اسطرح دوسوسالہ عادل شاہی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

عادل شاہی دور علم وادب اور موسیقی اور شعروشاعری کو فروغ حاصل ہوا۔ اسکی حکمرانی میں شاعروں کی پذیرائی ہوئی۔ اسلامی ممالک میں جہاں فنون کے لوگ تھے انہیں دعوت نامے بھیجے تھے اور ان کی ہر طرح کی پذیرائی ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد دکن میں مثنوی، نظم، غزل، قصیدہ، رباعی اور دیگر اصناف سخن نے بھی فروغ پایا۔ عادل شاہی عہد کی ادب نوازی اور علم پروری روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ عادل شاہی بادشاہوں نے شعروادب کی سرپرستی کی۔ عادل شاہی عہد میں کئی قابل ذکر شعراء گذرے ہیں۔ عادل شاہی دور علم وہنر کا مرکز تمدن اور تہذیب کا گہوارہ تھا۔ عادل شاہی دور میں شاعری کی صنف سخن میں طبع آزمائی کی جیسے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، غزل، رباعیاں، گیت وغیرہ انہوں نے تخلیقی ادب کے ساتھ ساتھ شعری ترجمہ کا بھی میعاری کام کیا۔ ان شعراء میں شوقیؔ، مقیمیؔ، صنعتیؔ، رُستمیؔ اور نصرتیؔ وغیرہ جیسے گرانقدر شعراء تھے۔ اس زمانے میں مثنوی کو عروج حاصل ہوا۔ اُس زمانے کی چند منثویا جیسے نصرتیؔ کی گلشن عشق، ہاشمی کی یوسف زلیخا، شوقیؔ کی میزبانی نامہ وغیرہ مشہور ہیں۔

دکن میں قدیم اردو کی اشاعت کا سلسلہ مقامی صوفیا کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہوا دیکھائی دیتا ہے۔ عادل شاہی دور میں نثر کا موضوع تصوف واخلاق تھا۔ ان کا مقصد اپنے مریدوں اور عقیدت مندو کی ہدایت دینا اور یکتا پرست، کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے عوام کو آراستہ کرنا بھی تھا۔ اس کے علاوہ عوام کی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لئے درس وتدریس کا سلسلہ بھی قائم کیا تھا۔

8.6 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ سطروں میں تحریر کیجیے۔

(۱) عادل شاہی دور کا تاریخی پس منظر بیان کیجیے؟

(۲) عادل شاہی دور کے اہم نثر نگاروں کے نام بتاکران کی تصانیف کا جائزہ لیجیے؟

(۳) عادل شاہی دور میں دکنی اردو پر تبصرہ کیجیے؟

(۴) عادل شاہی دور کی شعری اصناف تحریر کیجیے؟

(۵) عادل شاہی دور میں نثر کا ارتقاء کس طرح ہوا؟ واضح کیجیے۔

(۷) عادل شاہی دور میں صوفیائے اکرام کی ادبی خدمات بیان کیجیے؟

(۸) شال میراجی، میر ایعقوب اور میراجی خدانماء کے ادبی کارنامے بیان کیجیے؟

9.6 فہرہنگ

الفاظ	معنی
سلطنت	حکومت
عہد	دور
تبسم	مسکراہٹ
شعراء	شاعری کرنے والے
نثر	صنف یا قسم
قدیم	پرانا
فروغ	ترقی
جدید	نیاء
قبل	پہلے
صنف	قسم
خادم	خدمت کرنے والا

9.7 شفارش کردہ کتابیں

(۱) جمیل جالبی — تاریخ ادب اردو۔جلداول (آغاز سے ۱۷۵۰ء تک) دلّی ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ۱۹۷۷ء

(۲) سید محی الدین قادری زور — دکنی ادب کی تاریخ۔علی گڑھ۔ایجوکیشنل بک ہاؤس ۱۹۹۵ء

(۳) جین گیان چند — تاریخ ادب اردو۔دلی۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۱۹۸۸ء

(۴) وہاب اشرقی — تاریخ ادب اردو۔جلداول ابتدا سے جلداول ۲۰۰۰ء تک۔دلی ایجوکیشنل پبلشنگ

(۵) ہاشمی نصیرالدین — دکن میں اردو نئی دلی' ترقی اردو بیورو ۱۹۸۵ء

(۶) ندوی حام اللہ — اردو کی چند نایاب مثنویاں۔دلّی ماڈرن پبلشنگ ہاؤس ۲۰۰۰ء

(۷) حسینی شاہد — شاہ امین الدین اعلیٰ۔حیدرآباد۔انجمن ترقی اردو۔آندھرا پردیش ۱۹۷۳ء

(۸) خافی خان — منتخب اللباب ترجیم محمود احمد فاروقی۔ کراچی۔ نفیس اکڈمی ۱۹۸۵ء
(۹) سیدہ جعفر — تاریخ ادب اردو۔ جلد دوم۔ دلی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اردو ۱۹۹۸ء

☆☆☆